IFTA, QAZA' AND ACCOUNTABILITY ANALYTICAL AND RESEARCH STUDY

افتاء و قضاء واحتساب تجزیاتی و تحقیقی مطالعہ

Dr Saeed Khan, faculty of Islamic studies university of Karachi., Email:dr.saeediskandar@icloud.com

ABSTRACT:

Ifta, giving a verdict without any power regard its implication, Qada, which is distinguished with having power of implication and Ehtisab, accountability, all the three are of great importance in the light of Shariah. In todays Muslim World it is among the much argumented issues to make all the above three aspects with repective distinctions. Many a times, the Islamic Jurists belonging to the very first department, Ifta, understand mistakenly that they possess power of implemntation also as they possess power of giving jurisdictions, and there occurs the confusion. In the article before the reader, I took this very matter to elaborate the distinct features of the above different departments. Having begin with the definitons of Ifta Qada and Ehtisab, I gave the examples of all the three sections from the era of the Holy Prophet till the era of Tabieen. The descriptions and arguments of Fuqaha has also been pointed out, and in the last I made a detailed section to describe the core object of the paper

KEYWORDS*: *Detailed conversation Ifta, Qada, Ehtisab,

تمہیدی گفتگو: اسلام انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے، جو کامل اور مکمل صورت میں دنیا کے سامنے آچکا ہے، قرآن نے واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔[المائدۃ:۳]''ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین کی حیثیت سے اسلام کو تمہارے لیے پسند کیا۔'' نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ زندگی ہمہ وقت رواں دواں، متحرک اور تغیر پذیر ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پیہم رواں دواں زندگی کا ساتھ دینے اور اس میں انسانوں کی راہنمائی کے لیے اپنا آخری پیغام، جو دین اسلام کی صورت میں دیا ہے، اس کی بنیاد اگرچہ دائمی وابدی عقائد و حقائق پر ہے، لیکن حرکت اس کے رگ وپے میں بھری ہوئی ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے کے انسانوں کی راہنمائی کی صلاحیت رکھی ہے، اس دین میں مسلسل زندگی، توانائی اور سرگرمی پائی جاتی ہے، مذہب اسلام اپنی ایسی صلاحیت کی بناء پر تغیر کو ایک حقیقت مانتا ہے، البتہ مذہب، زندگی کا نگران ہے جو صالح تغیرات اور تعمیری و تخریبی رجحانات میں فرق کا فریضہ انجام دیتا ہے، اور صالح، صحیح، فطری اور جائز تغیرات کے لیے پوری گنجائش رکھتا ہے اور اس کا ساتھ دیتا ہے۔ فقہ اسلامی، اسلام کے بتائے ہوئے دستور زندگی کے مجموعے کا ہی نام ہے، جو قرآن و حدیث سے مستنبط کردہ ہزاروں احکام و مسائل کا مرتب و مدون ذخیرہ ہے اور فقہاء کرام کی محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ ذخیرۂ فقہ کے مسائل بھی محدود ہیں اور اس حالات و زمانے کی تبدیلیوں نے ہر دور میں نئے مسائل کھڑے کئے ہیں، اور آج بھی ایسے سینکڑوں مسائل شرعی واہنمائی کے منتظر ہیں، سوال یہ ہے کہ اسلام نے ان مسائل کے حل کے لیے کیا راستہ دکھایا ہے، مجتہدین امت کو اللہ

جزائے خیر عطاء فرمائے کہ وہ ایسے قواعد وضوابط مرتب فرما گئے ہیں کہ قیامت تک آنے والے اہل علماء سے مستفید ہوتے رہیں گے اور انہی اصول و و قواعد کی روشنی میں آئندہ ہر قسم کی مشکلات و مسائل حل ہو سکیں گے۔ علماء امت کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے اسلاف وفقہاء نے اپنے ادوار میں اجناس، واقعات اور نوازل کے عنوان سے روز مرہ کے نت نئے مسائل کو یک جا کر کے قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کا حل پیش کیا، اسی طرح موجودہ فقہاء بھی جدید مسائل کا حل مجتہدین کے بتائے ہوئے اصولوں اور قدیم فقہ کی روشنی میں تلاش کریں، اور مفصل جوابات امت کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے دیندار طبقے کو مطمئن کریں اور جدید نسل کو یہ باور کرائیں کہ دین اسلام میں ہر وقت کے صحیح تقاضے کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے اور شریعت، زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالا تر ہے، قدیم فقہ اور مجتہدین وفقہاء ملت کے مرتب کردہ اصولوں کی روشنی میں جدید مسائل و نوازل کا حل تلاش کرنا ہی ''اجتہاد'' کہلاتا ہے۔امت محمدیہ کی راہنمائی کے لیے قرن اول سے ہی افتاء واستفتاء کا ایک نظام قائم رہا ہے عہد نبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دیگر گوناگوں ذمہ داریوں کے ساتھ مسائل اور معاملات میں امت کے راہنمائی فرماتے رہے۔ بعد میں دور صحابہ میں بھی کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اس ذمہ داری کو بخوبی نبھاتے رہے۔ نیز اسلامی حکومتوں میں جب تک اسلامی قانون ملکی قانون کی حیثیت سے جاری رہا اور حکومت میں اس ذمہ داری کی حساسیت واہمیت کو تسلیم کرتی رہی۔تو عدلیہ و قضاء کے ساتھ علماء امت کے درمیان نظام افتاء بھی قائم رہا۔اور حکومتیں اسلامی عدالتوں کی طرح ان دار الافتاؤں کی بھی سرپرستی کرتے رہے، حقیقت یہ ہے کہ نظام افتاء معاشرے میں ایک مرکزیت کا حامل ادارہ ہے جو معاشرہ کی دینی و شرعی راہنمائی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔اور اسلامی ممالک میں اگر واقعۃً اسلامی نظام قائم ہو تو یہ حکومت اسلامیہ ہی کا ایک ذیلی ادارہ ہے جو عدالتوں کی معاونت کرتا اور معاشرے کی دینی خدمت کرتا ہے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ مسلم ممالک کی اسلامی حکومتوں میں یہ ادارہ اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھاتا رہا ہے، خلافت عثمانیہ جو مسلمانوں کی آخری متفقہ خلافت رہی ہے اس میں شیخ الاسلام ایک مستقل اور اہم سرکاری عہدہ تھا۔ جو معروف معنوں میں مفتی اعظم کا درجہ تھا۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد بدقسمتی سے یہ ادارہ بھی اپنی حقیقی اہمیت سے محروم ہو گیا۔اور علماء امت نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے معاشرتی راہنمائی کے لیے اپنی وسائل کی مدد سے یہ سلسلہ قائم رکھا اسی کی برکت ہے کہ آج یہ نظام کسی درجے میں قائم ہے۔ محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''متحدہ ہندستان کے فرنگی استعمار کا شکار ہو جانے اور اس کے ظلم و جبر کے شکنجے میں جکڑ جانے کے بعد بھی بہت سی اسلامی ریاستوں میں یہ نظام کسی حد تک قائم رہا اور بھوپال، ٹونک، بہاول پور وغیرہ میں سوا حدود کے تمام فیصلے اسلامی قانون کے مطابق ہوتے رہے، البتہ برٹش گورنمنٹ کے زیر نگین علاقوں میں اسلامی قانون کو معطل کر دیا گیا، محاکم عدلیہ اٹھا دیئے گئے، ان کی جگہ تاج برطانیہ کی وفادار عدالتیں قائم ہوئیں، اسلامی حکومتوں کے قائم کردہ دار الافتاء برباد کر دیئے گئے، ان حالات میں امت محمدیہ کے دور اندیش اکابر دین نے اس امت میں دین کے علمی و عملی اور اخلاقی و اعتقادی نظام کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے دینی ادارے قائم کیے، جن سے تعلیم و تبلیغ اور درس و افتاء کے چشمے جارے

ہوئے۔"(بصائر و عبر: ۱؍۸)ہمارے ملک جب سے نقشہ عالم پر ظاہر ہوا ہے، آج تک حکومت کی سرپرستی"اسلامی محکمہ عدلیہ" اور اسلامی دار الافتاء سے محروم رہا ہے، حکومت کی نظر میں اگر اس کام کی کوئی اہمیت تھی تو اسے ممنون ہونا چاہیئے تھا کہ علماء امت نے بغیر کسی طمع ولالچ اور بغیر حکومتی اعانت کے دینی دارے قائم کر کے امت مسلمہ کے دینی خمیر کو بیدار کھا، آج تمام قابل قدر ممتاز اداروں میں فتٰوی نویسی کے لیے دار الافتاء قائم ہیں، جن میں ملک کے گوشے گوشے سے سوالات آتے ہیں اور قابل اعتماد ماہرین کی نگرانی میں انکے جواب دیئے جاتے ہیں، جو کام اسلامی حکومت کے کرنے کا تھا، الحمد للہ کہ وہ غریب ونادار اور بے نوا مسلمانوں کی توجہ سے پورا ہو رہا ہے، حکومت کے خزانے سے اس پر ایک پائی خرچ نہیں ہوتا۔"(ایضا: ۱۰۱؍۱) بہر کیف افتاء اور استفتاء کا یہ نظام قرن اول سے یونہی چلا آرہا ہے اور دور حاضر میں جو نظام رائج ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، ان دار الافتاؤں میں مفتیان کرام پیش آمدہ مسائل کا حل بتاتے اور نت نئے مسائل قرآن وسنت میں غور وفکر کرنے کے بعد پیش فرماتے ہیں، فتوی وافتاء کا تعارف، اس کا ارتقاء اور فتوی، اجتہاد اور راس سے ملتے جلتے دیگر وہ شعبہ جات جو عوامی مسائل کا تصفیہ کرتے ہیں مثلا احتساب و قضاان کے درمیان کیا فرق ہے؟ ذیل میں اس کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

فتوی کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات: فتوی کا مادہ "ف، ت، ی" ہے، فتوی اور فُتیا، افتاء سے ماخوذ ہے، لفظ فتوی "ف" کے زبر اور پیش دونوں طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے، البتہ "ف" پر زبر زیادہ مشہور اور مروج ہے اور اہل مدینہ کی لغت بھی یہی ہے، افتاء کے معنی فتوی دینے کے اور استفتاء کے معنی فتوی طلب کرنے کے ہیں، قرآن کریم میں افتاء اور استفتاء کے الفاظ متعدد مقامات پر استعمال ہوئے ہیں، چند آیات اور احادیث مبارکہ درج کی جاتی ہیں: یاأیهاالملأ أفتوني في رؤياي ان كنتم للرؤياتعبرون۔[یوسف، الآیۃ:۴۳]"ترجمہ: اے دربار والو! اگر تم (خواب کی) تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کے بارے میں مجھ کو جواب دو۔"قضي الأمرالذي فيه تستفتيان۔ [یوسف۴۱:۱۲]"ترجمہ: جس بارے میں تم پوچھتے ہو وہ اسی طرح مقدر ہو چکا۔"عن أبي هريرةقال: قال رسول ۔ االله صلى االله عليه وسلم ۔: من أفتى بفتيا غيرثبت فانما اثمه على من أفتاه۔(۱)"حضرت ابوہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے بغیر تحقیق کے فتوی دیا تو اس کا وبال فتوی دینے والے پر ہو گا۔"عن الخشني قال۔قال النبي ۔ صلى االله عليه وسلم ۔: البرماسكنت اليه النفس واطمأن اليه القلب، والاثم مالم تسكن اليه النفس ولم يطمئن اليه القلب وان أفتاك المفتون۔(۲)"حضرت خشنیؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی وہ ہے جس کی طرف سے نفس کو سکون حاصل ہو اور دل مطمئن ہو، اور گناہ وہ ہے کہ جس سے نہ نفس کو سکون ملے، نہ دل اس سے مطمئن ہو، اگرچہ اس کے بارے میں تجھے فتوی دینے والے فتوی دیں۔"ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: "فتی اور فتوی: یہ دونوں لفظ افتاء کی جگہ مستعمل ہیں کہا جاتا ہے "أفتيت فلانا رؤيا رأها"، جب آپ اس کو تعبیر بتلائیں اور "أفتيته في مسئلة" اس وقت کہا جاتا ہے جب مسئلے کا جواب دیا جائے حدیث میں ہے۔"ان قوما تفاتوااليه" اس کا معنی ہے، ان کی طرف معاملے اور فیصلے کو لے کر جانا، کہا جاتا ہے "أفتاه في

المسئلۃ یفتیہ، جب مسئلے کا جواب دیا جائے، عرب کے شاعر طرماح نے بھی اس کو شعر میں استعمال کیا ہے، ''الفتیا'' کا معنی ہے مشکل کو بیان کرنا، ''الفتیا، الفتویٰ'' دونوں کا معنی ہے، وہ بات جو مسئلے کے جواب میں فقہ بیان کرے، لفظ ''فتویٰ'' پر فتحہ اہل مدینہ کی لغت ہے۔''(۳)

الموسوعۃ الفقھیہ میں ہے: ''فتویٰ کی اصطلاحی تعریف: دلیل کے ذریعہ شرعی حکم کو سائل کے لیے بیان کرنا۔''(۴) **شرح المنتھی میں ہے**: ''فتویٰ اصطلاح میں، شرعی حکم کو دلیل کے ذریعہ پوچھنے والے کے لیے بیان کرنا اور یہ عام وقوع پذیر اور عدم وقوع پذیر مسائل دونوں میں ہیں۔''(۵)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فتوی کا ارتقاء: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فقہ سے متعلق جملہ امور آپ کی ذات مبارکہ سے وابستہ تھے، قانون سازی، فتاوی، فیصلے وغیرہ کے فرائض آپ خود بنفس نفیس انجام دیا کرتے تھے، فقہ کی نہ باقاعدہ ترتیب وتدوین ہوئی تھی اور نہ ضروریات زندگی محدود ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت تھی، یہ دور اسلامی مقاصد کو آگے بڑھانے کا تھا، اس بنا پر لوگوں کی ساری توجہ جہاد اور عمل پر مرکوز تھی، دیگر مسائل کی طرف ان کو سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی، ایک صالح اور سادہ اجتماعی زندگی کے جو مسائل ومصالح ہو سکتے ہیں، بس وہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات انہی کے مثبت اور منفی عموماً دونوں پہلوؤں کی وضاحت تک محدود تھیں، لیکن یہ تعلیمات عموماً دستوری اور اصولی رنگ میں تھیں، جنہیں بنیاد بنا کر قانون کی عمارت تیار کی جاتی ہے، بہت سی جزئیات کی تشریحات ایسی تھیں جو بڑی حد تک حالات وزمانہ کے تقاضوں پر مبنی تھیں، کبھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا قانون نافذ فرمایا تھا، لیکن اکثر قوانین جو موجود اور مروج تھے انہیں کو معمولی ترمیم واصلاح کے بعد قبول فرمالیا تھا۔ اُس دور میں فقہ کے صرف دو مصادر تھے:

(۱)قرآن کریم　　　(۲) تشریحاتِ نبوی۔

(۱)قرآن کریم میں اصول ودستور کے علاوہ مصالح اور مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں، جو ایک صالح اور سول سوسائٹی کے لئے درکار ہیں، بیان کی صورت یہ تھی کہ جیسی جیسی ضرورت پیش آتی رہی اسی لحاظ سے احکام آتے رہے اور خطرات کے انسداد کے بھی احکام دیئے جاتے، تاکہ خطرہ آنے سے پہلے اس کے انسداد کی تدابیر نکالی جاسکے، سوالات کا سلسلہ بہت کم تھا اور نہ عموما اس کی ضرورت پیش پڑتی تھی۔

(۲) تشریحاتِ نبوی میں بھی یہی رنگ غالب تھا، ضرورت کے موقع پر یا غلط فہمیوں میں مبتلا ہونے کے اندیشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حکیم کے بیان کئے ہوئے حکم کی تشریح فرمادیتے اور موقع اور محل کی تعیین کرتے اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل کام تھے: (۱) تشریح کتاب، جس میں مختلف انداز سے حکمت کی تعلیم شامل تھی۔ (۲) تعلیمِ کتاب۔ (۳) تزکیۂ نفس۔ (۴) مجموعی حیثیت سے ایک ایسی جماعت کی تیاری جو نبوت کے فرائض، نبوت ہی کے نقشہ کے مطابق انجام دے سکے، صحابہ کرام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی وفعلی تشریحات سے استفادہ کرکے اپنی زندگی میں ان کو جذب کرتے تھے اور جانی ومالی ہر بڑی سے بڑی قربانی کے ذریعہ سے نبوی مشن اور اسلامی کام کو آگے بڑھاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس وقت تشریف لے گئے جب ہر طرح سے اطمینان

ہو گیا کہ اسلام کی بنیادیں ہر حیثیت سے مکمل ہو گئی ہیں۔(۶) حضور علیہ السلام کی بعثت کے بعد اسلامی قانون سازی کے ایک شعوری ارتقا کا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور اس کا باقاعدہ آغاز مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے سفر سے ہوتا ہے۔۱۳(نبوی) تا ۱۱ھ میں جب مدینہ منورہ کو پہلی اسلامی ریاست بننے کا شرف حاصل ہو گیا تو یہیں سے اسلامی قانون کی بنیاد پڑی، قانونی مسائل سے متعلق آیات کا نزول ہوا اور اسی زمانے کی احادیث مبارکہ سے قانونی مسائل کا احاطہ ہوتا ہے، جب بھی سوالات ہوتے تو اس کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطۂ جبریل آپ کو تعلیم مل جاتی، مثلاً یسئلونک عن الخمر، یسئلونک عن الیتامی، وغیرہ اور جن کے سوالات نہیں کئے ان کے بھی جوابات دیتے۔(۷) **المدخل میں ہے:** ''احکامِ فقہ اسلام پروان چڑھنے کے ساتھ پروان چڑھے اس لیے کہ اسلام عقائد اور علمی احکام کا مجموعہ ہے یہ علمی احکام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احکام قرآن اور اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ کسی واقعہ میں فتویٰ، کسی معاملہ میں فیصلہ یا کسی سوال کے جواب کی شکل میں تھے، ان سے اخذ شدہ تھے۔ لہٰذا دور اول میں احکام فقہیہ کا مجموعہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے ماخوذ تھا اور اس کی بنیاد قرآن وسنت تھی۔''(۸) **شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:** ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ اپنے معاملات کی بابت فتویٰ طلب کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتویٰ دیتے تھے۔ اسی طرح لوگ اپنے قضایا اور جھگڑے آپ کے سامنے پیش کرتے تھے، آپ ان کے درمیان فیصلہ فرماتے آپ لوگوں کو اچھا کام کرتے دیکھ کر حوصلہ افزائی فرماتے اور بُرا کام دیکھ کر نکیر فرماتے۔ آپ جو بھی فتویٰ صادر کرتے یا جو بھی فیصلہ فرماتے یا کسی پر نکیر کرتے تو یہ عام اجتماعات اور لوگوں کے سامنے ہوا کرتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آپ کی عادت کریمہ تھی، لہٰذا جس صحابی سے جس قدر ممکن ہو سکا آپ کی عبادات، فتاویٰ، اور فیصلوں کا مشاہدہ کیا اور اس کو یاد کیا اور سمجھا اور ہر ایک کو اس کے محل پر منطبق کیا۔ بعض نے اباحت پر محمول کیا اور بعض نے نسخ پر محمول کیا اور ہر ایک نے پاس اپنے موقف پر اپنی حد تک مطمئن ہونے کے لیے قرائن اور علامات موجود تھے۔ طریق استدلال کی طرف وہ توجہ نہیں فرماتے جیسے دیہاتی لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے مقصد کی بات سمجھ جاتے ہیں اور ان کا دل تشریح، اشارات اور کنایات سے ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور انہیں علم بھی نہیں ہوتا۔''(۹)

عہد نبوی کے اہم مفتیان کرام: الفکر السامی میں ہے: ''سہل بن ابی عمر حیثمہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتویٰ دینے والے حضرات میں تین مہاجرین اور تین انصار سر فہرست تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت زید بن ثابت، علی بن عبداللہ بن یسار اسلمی سے منقول ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (بھی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتویٰ دینے والے حضرات میں سے تھے۔''(۱۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں فتویٰ: اصول الافتاء میں ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ نے افتاء کی ذمہ داری سنبھال لی، چنانچہ ابن قیم الجوزیہ نے اعلام الموقعین میں ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مفتیوں کی تعداد ایک سو تین کے لگ بھگ تھی اور زیادہ فتویٰ دینے والے سات صحابہ تھے، حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ

ام المومنین، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ ہر ایک کے فتاویٰ اگر جمع کیے جائیں تو اس سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ابو بکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب نے عبد اللہ بن عباسؓ کے فتاویٰ بیس جلدوں میں جمع کیے۔درمیانے درجے کے فتویٰ دینے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔ان میں سر فہرست حضرت ابو بکر صدیق، حضرت ام سلمہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو سعید خدری، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت عبادۃ بن صامت، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔ان میں بیس صحابہ کے فتاویٰ اگر جمع کیے جائیں تو اس سے بھی چھوٹے رسائل تیار ہو سکتے ہیں۔ان کے علاوہ باقی صحابہؓ کم فتویٰ دیا کرتے تھے۔ایک یا دو مسئلے ہی ان سے مروی ہیں۔ان کے فتاویٰ انتہائی تلاش و جستجو کے بعد بھی ایک چھوٹے رسالے کی شکل میں وجود میں آسکیں گے۔"(۱۱)

صحابہ کرامؓ کا طرز افتاء: امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کی تصویب فرمائی ہے،ان مسائل کے اندر جن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صراحت نہ ہو۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے بعض افراد سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن بھیجا تو فرمایا کہ اگر آپ کے پاس کوئی فیصلہ آجائے تو آپ کیا کروگے؟ کہا کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛اگر وہ حکم کتاب اللہ میں نہ ملے تو حضرت معاذؓ نے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حدیث سے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حدیث میں بھی نہ ملے؟ حضرت معاذ نے کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور پوری کوشش کروں گا۔کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر (اپنا ہاتھ) مارا پھر فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اللہ کے رسول کے نائب کو اس بات کی توفیق دی جس کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔"(۱۲) امام ابن قیم جوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے جب کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہتے کہ اللہ نے اس طرح فرمایا ہے،اللہ کے رسول نے اس طرح فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہا،جب تک کتاب و حدیث میں جواب ملتا تو اس سے ذرہ برابر بھی اعراض نہ کرتے،جو ان کے جوابات میں غور کرے گا تو اس سے دلی اطمینان پائے گا۔"(۱۳)

اعلام الموقعین میں ہے: "شعبیؒ کہتے ہیں کہ تین شخص ایک دوسرے سے مسئلہ پوچھتے تھے، حضرت عمر،عبد اللہ اور زید بن ثابت ایک دوسرے سے مسئلے پوچھتے تھے، حضرت علی،ابی بن کعب اور ابو موسیٰ اشعری آپس میں ایک دوسرے سے مسائل پوچھتے تھے،،شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے شعبیؒ سے کہا کہ ابو موسیٰ اس درجہ کے تھے؟ کہا کہ وہ کیا عمدہ عالم تھے۔میں نے کہا: معاذ کہاں تھے؟ کہا کہ وہ اس سے پہلے وفات پا چکے تھے۔"(۱۴)

تابعین کے دور میں فتوی: تعلیم و تربیت اور فقہ و فتوی کا سلسلہ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد کہیں جا کر رکا نہیں، بلکہ اس ذمہ داری کو حضرات صحابہ کرام کے شاگردوں نے احسن طریقے سے سنبھالا اور دل و جان سے اس کی حفاظت کر کے آنے والی نسل تک

کماحقہ پہنچایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مبارک میں بفضل خداوندی بہت فتوحات حاصل ہوئیں، اس وجہ سے حضرت تابعین مختلف بلاد اسلامیہ میں دین متین کی خدمت سرانجام دے رہے تھے، اکثر بلاد اسلامیہ میں ایسے لوگ مقرر تھے جو لوگوں کی رہنمائی کرتے، **مدینہ منورہ میں** حضرت سعید بن المسیب، ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف، حضرت عروہ بن زبیر، حضرت عبیداللہ، حضرت قاسم بن محمد، حضرت سلیمان بن یسار اور حضرت خارجہ بن زید تھے، انہی کو ''فقہاء سبعہ'' بھی کہا جاتا ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ **مکہ مکرمہ میں** عطاء بن ابی رباح، علی بن ابی طلحہ، اور عبدالمالک بن جریج رحمہم اللہ یہ کام کیا کرتے تھے۔ **کوفہ میں** ابراہیم نخعی ابن ابی سلیمان، عامر بن شراحیل، شعبی، علقمہ، سعید اور ہمدانی رحمہم اللہ۔ **بصرہ میں:** حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں حضرت مکحول، ابوادریس، شراجیل بن السمط، عبداللہ بن ابی زکریا الخزاعی، قبیصہ بن ابی ذوئب الخزاعی، عبد بن امیہ، سلیمان بن الحبیب المحاربی، حارث بن عمیر الزبیدی، خالد بن معدان، عبدالرحمن بن غنم الاشعری، جبیر بن نفیر، عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر، عمر بن عبدالعزیز اور رجاء بن حیوۃ رحمہم اللہ اس کام میں معروف تھے، ان کے اکثر فتاوی جات مؤطات، سنن اور مسندات وغیرہ میں موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تابعین میں سے ہیں، آپؒ کی پیدائش کے وقت بہت سے صحابہ کرامؓ کوفہ میں موجود تھے اور وہ حضرات صحابہ کرامؓ یہ ہیں: حضرت ابن فضیل، حضرت واثلہ، حضرت عبداللہ بن عامر، حضرت ابن ابی اوفی، حضرت عتبہ، حضرت مقداد، حضرت ابن بسر، حضرت سہل بن سعد، حضرت انس، حضرت عبدالرحمن بن یزید، حضرت محمود بن لبید، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوالطفیل، حضرت عمرو بن حریث، حضرت عمرو بن سلمہ، حضرت ابن عباس، حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم وعنا اجمعین۔(۱۵) اعلام الموقعین میں ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جن کے فتوے محفوظ ہیں وہ ایک سو تیس سے زائد مرد و عورت ہیں، البتہ ان میں سے زیادہ فتویٰ دینے والے سات حضرات تھے: حضرت عمر بن خطاب، علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، ام المومنین عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور متوسط تعداد میں فتوی دینے والے حضرات میں سے حضرت ابو بکر صدیق، ام سلمہ، انس بن مالک، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، عثمان بن عفان، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن زبیر، ابو موسی اشعری، سعد بن وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم ہیں، ان تیرہ حضرات میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک چھوٹا سا کتابچہ تیار ہو سکتا ہے اور ان کے ساتھ حضرت طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عمران بن حصین، ابو بکرۃ، عبادہ بن صامت اور معاویہ بن ابی سفیان کو بھی شامل کر لیا جائے۔''(۱۶)

اعلام الموقعین میں ہے: ''پھر ان حضرات کے شاگرد فتویٰ دینے لگے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے راوی اور ان کے علوم کے ترجمان سعید بن المسیب۔''(۱۷) نیز فرماتے ہیں: ''تابعین میں سے مدینہ منورہ کے مفتی سعید بن المسیب، عروۃ بن زبیر، قاسم بن محمد، خارجہ بن زید، ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، سلیمان بن یسار اور عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود تھے، اسی طرح اہل فتویٰ میں سے ابان بن عثمان، سالم، نافع، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف اور علی بن الحسین بھی تھے۔''(۱۸) نیز لکھتے ہیں: ''مکہ کے مفتیان کرام عطاء بن

ابی رباح، طاووس بن کیسان، مجاہد بن جبر، عبید بن عمیر، عمرو بن دینار، عبد اللہ بن ابی ملیکہ عبد الرحمٰن بن سابط اور عکرمہ تھے اور بصرہ کے مفتیوں میں عمرو بن سلمہ جرمی، ابو مریم حنفی، کعب بن سعود، حسن بصری تھے جنہوں نے پانچ سو صحابہ کا زمانہ پایا اور بعض علماء نے ان کے فتاویٰ کو سات ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے۔ ابو محمد کہتے ہیں کہ ابو الشعثاء جابر بن زید، محمد بن سیرین، ابو قلابہ عبداللہ بن زید جرمی، مسلم بن یسار، حمید بن عبد الرحمٰن، مطرف بن عبد اللہ الشخیر، زرارہ بن ابی اوفی اور ابو بردہ بن ابی موسیٰ تھے۔"(۱۹) مزید لکھتے ہیں: "کوفہ کے مفتیان کرام: علقمہ بن قیس نخعی، اسود بن یزید نخعی جو کہ علقمہ کے چچا تھے، عمرو بن شرحبیل ہمدانی، مسروق بن اجدع ہمدانی، عبیدہ سلمانی، قاضی شریح بن حارث، سلیمان بن باہلی، زید بن صوحان، سوید بن غفلہ، حارث بن قیس جعفی، عبد الرحمٰن بن یزید نخعی، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود قاضی، حیثمہ بن عبد الرحمٰن، سلمہ بن صہیب، مالک بن عامر، عبداللہ بن سخبرہ، زر بن حبیش خلاس بن عمرو، عمرو بن میمون اودی، ہمام بن حارث، حارث بن سوید، یزید بن معاویہ نخعی، ربیع بن خیثم، عتبہ بن فرقد، صلہ بن زفر، شریک بن حنبل، ابو وائل شقیق بن سلمہ اور عبید بن نضلہ تھے جو کہ تمام حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور ان کے ساتھ عبداللہ بن مسعود کے بیٹے ابو عبید اور عبد الرحمٰن بن ابی لیلی جنہوں نے ایک سو بیس صحابہ سے علم حاصل کیا، میسرہ، زاذان اور ضحاک بھی شامل ہیں۔"(۲۰) مزید فرمایا: "پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی، عامر شعبی، سعید بن جبیر، قاسم بن عبد الرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود، ابو بکر بن ابی موسیٰ، محارب بن دثار، حکم بن عتیبہ اور حبلہ بن سحیم (حضرت ابن عمر کے شاگرد) مفتی تھے۔"(۲۱) آگے لکھتے ہیں: "ان کے بعد حماد بن ابی سلیمان، سلیمان بن معتمر، سلیمان اعمش، مسعر بن کدام، اور ان کے بعد محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی، عبداللہ بن شبرمہ، سعید بن اشوع، قاضی شریک، قاسم بن معن، سفیان ثوری، ابو حنیفہ اور حسن بن صالح بن حی فتویٰ دیتے رہے۔"(۲۲) آگے راقم طراز ہیں: "شام کے مفتیوں میں: ابو ادریس خولانی، شرحبیل بن سمط، عبداللہ بن ابی زکریا خزاعی، قبیصہ بن ذوہیب خزاعی، جنادہ بن ابی امیہ، سلیمان بن حبیب، محارب، حارث بن عمیر زبیدی، خالد بن معدان، عبد الرحمٰن بن غنم اشعری، جبیر بن نفیر، ان کے بعد عبد الرحمٰن بن جبیر بن نفیر مکحول، عمر بن عبد العزیز اور رجاء بن حیوۃ ہیں، عبد الملک بن مروان خلیفہ بننے سے پہلے مفتیوں میں شمار ہوتے تھے، اور حدیر بن کریب شامل تھے۔"(۲۳) آگے فرمایا: "ان کے بعد قاضی یحی بن حمزہ ابو عمرو عبد الرحمٰن اوزاعی، اسماعیل بن ابی المہاجر، سلیمان بن موسیٰ اموی، اور سعید بن عبد العزیز مفتی تھے۔"(۲۴) مزید فرمایا: "اہل مصر کے مفتیوں میں: یزید بن ابی حبیب، بکیر بن عبداللہ بن اشج اور ان کے بعد عمرو بن حارث جن کے بارے میں ابن وہب کا بیان ہے کہ اگر ہمارے زمانے تک عمرو بن حارث زندہ ہوتے تو ہمیں امام مالک اور دیگر کی ضرورت نہیں ہوتی، لیث بن سعد اور عبید اللہ بن ابی جعفر تھے۔"(۲۵)

قضاء، احتساب اور اجتہاد کی تعریف اور فتوی سے فرق: قضاء کی تعریف: اعلام الموقعین میں ہے: "لفظ قضا کا معنی ہے: قاضی کا فریقین کے درمیان فیصلہ کرنا، اسی کو حکم اور حاکم بھی کہا جاتا ہے۔"(۲۶) "صنوان القضاء و عنوان الافتاء" میں ہے: "لغت میں قضاء کسی شئ کے لازم

کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اسی بناپر حکم (فیصلہ کرنے والا) کو قاضی کہا جاتا ہے، بعض نے کہا قضا بمعنی فیصلہ کے لیے اور اس کی اصل "قضای" ہے۔ شرع میں قضاء کی تعریف مشہور یہ ہے کہ "معاملات کو نمٹانا اور لڑائی جھگڑے ختم کرنا، قاضی وہ ہے جو لڑائی جھگڑے نمٹائے اور حق کو باطل سے جدا کر کے بیان کرے۔"(۲۷)

فتوی اور قضاء میں فرق: فتوی اور قضا قریب قریب ایک ہیں، بیشتر شرائط، احکام، اصول میں دونوں برابر ہیں، اس لئے فقہائے کرام نے جہاں قاضی یا قضاء کے شرائط وآداب بیان کئے ہیں تو وہاں آخر میں یہ بات بھی کہی ہے کہ یہ جملہ شرائط مفتی کے لئے بھی ہیں اور جہاں مفتی کے شرائط کا ذکر کیا ہے وہاں یہ صراحت بھی کی ہے کہ قاضی ان شرائط میں مفتی کی مانند ہے، البتہ قضا اور فتوی میں متعدد طرق سے فرق بھی ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نفس منصب کے اعتبار سے اہم فرق یہ ہے کہ مفتی "مخبر" ہے اور قاضی ملزم ہے، یعنی قاضی کا فیصلہ "قضا" لوگوں پر جبرا نافذ کیا جاسکتا ہے کیونکہ قاضی قوت نافذہ کا مالک ہوتا ہے، جبکہ اس کے برعکس مفتی کا موقف لوگوں پر جبرا نافذ نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ مفتی صرف مبین یعنی صرف حکم واضح کرنے والا ہوتا ہے چنانچہ فتاوی شامی میں ہے: "مفتی اور قاضی کے درمیاں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ مفتی حکم کی خبر دیتا ہے اور قاضی اس کو لازم کرتا ہے، علامہ شامی کہتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ بلکہ اس پر اس حکم کی اتباع لازم ہے جس کو اسے معاملات میں ترجیح دی ہے اگرچہ مفتی حکم بتلانے والا اور قاضی اس کو نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔"(۲۸)

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ مفتی ظاہر اور باطن دونوں کے اعتبار سے فتوی دیتا ہے جبکہ قاضی صرف ظاہر کے اعتبار سے حکم دیتا ہے، جیساکہ علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ مفتی دیانت اور باطن کے اعتبار سے بھی فتوی دیتا ہے گویا فتوی میں دیانت اور باطن بھی معتبر ہے، لیکن قاضی ظاہر کے اعتبار سے ہی فیصلہ کرنے کا مکلف ہے گویا قضا میں ظاہر کا اعتبار ہے۔ **فتاوی شامی میں ہے:** "مفتی دیانت پر فتویٰ دیتا ہے جبکہ قاضی ظاہر پر فیصلہ کرتا ہے۔"(۲۹)

(۳) علامہ ابن قیم نے ایک فرق یہ بھی لکھا ہے کہ فتوی کی حیثیت عمومی نوعیت کی ہوتی ہے، فتوی پر مستفتی بھی عمل کر سکتا ہے مستفتی کے علاوہ عام لوگ بھی جب کے قاضی کا فیصلہ ایک خاص واقعے سے متعلق ہوتا ہے، دیگر احکام واقعات میں اس کو اصلا جاری نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ لکھتے ہیں: "بہر حال حاکم کا حکم ایک خاص جزئیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور محکوم علیہ (جس پر فیصلہ کیا گیا ہے) کے علاوہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا جبکہ مفتی کا فتویٰ ایک عام کلی حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ کہ جو اس طرح کرے گا اس پر یہ حکم لاگو ہوگا، اور جو اس طرح کہے گا اس پر یہ لازم ہوگا، جبکہ قاضی خاص شخص پر خاص فیصلہ کرتا ہے، قاضی کا فیصلہ خاص اور نافذ ہوتا ہے، اور عالم کا فتویٰ عام اور غیر لازم ہوا کرتا ہے۔"(۳۰)

(۴) افتا کا دائرہ بمقابلہ قضاء کے وسیع ہے کیونکہ قضاء کا تعلق بنیادی طور پر مصالح دنیا اور معاملات سے ہوتا ہے اور افتا کا تعلق مصالح دنیا و آخرت یعنی معاملات اور عبادات دونوں سے ہوتا ہے، البتہ قضا میں غالب معاملات ہیں اور افتا میں غالب عبادات ہیں۔

(۵) ایک اہم فرق یہ بھی ہے کہ قاضی کا فیصلہ بہر صورت واجب الاطاعت ہے (جب کہ شریعت سے متصادم نہ ہو) خواہ فریقین کے فقہی مسلک کے موافق ہو یا مخالف، جبکہ فتوی کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اگر مستفتی کسی اور مسلک اور فقہ کا مقلد ہو اور مفتی اپنے مسلک کے مطابق جواب دے تو مستفتی پر عمل کرنا لازم نہیں۔

(۶) اگر فتوی فریقین (دو اشخاص) سے متعلق ہو اور ایک حاضر نہ ہو تو اس کو زبردستی حاضر نہیں کیا جا سکتا، جبکہ قاضی کا فیصلہ اگر فریقین سے متعلق ہو اور ایک فریق حاضر نہ ہو تو اس پر جبر کیا جا سکتا ہے اس کو بلایا جائے گا۔ **الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:** "فریقین میں سے اگر ایک آدمی دوسرے کو کسی فقیہ کے فتویٰ کی طرف بلائے (اور وہ انکار کرے) تو جبر نہیں کیا جا سکتا، جبکہ اگر اس کو قاضی کے فیصلہ کی طرف بلائے تو اس صورت میں بات کا ماننا لازمی ہے اس لیے کہ شعبہ قضاء تو خصومات کو ختم کرنے کے لیے ہے۔"(۳۱)

(۷) قضا میں نطق (بولنا) ضروری ہے البتہ قاضی فیصلہ لکھ کر بھی دے سکتا ہے، جبکہ افتاء عام ہے، اس میں نطق شرط نہیں بلکہ تحریر وغیرہ بھی اس میں شامل ہے الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: "ایک فرق یہ بھی ہے کہ قضا کے لیے زبان سے تلفظ ضروری ہے، جبکہ فتویٰ، تحریر، تقریر اور اشارہ تینوں سے ہو سکتا ہے۔"(۳۲) **فتاوی شامی میں ہے:** "اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مفتی کے لیے مسلمان، عاقل ہونا شرط ہے، بعض نے اس کی بیدار مغزی کی بھی شرط لگائی ہے، البتہ آزاد ہونا اور ذکورت اور نطق ضروری نہیں، گونگے کا فتویٰ بھی درست ہے البتہ اس کا فیصلہ درست نہیں۔ مفتی اشارے سے بھی فتویٰ دے سکتا ہے جبکہ قضا اشارے سے نہیں ہو سکتی، اس لیے قضا میں دعویٰ کی صحت ثابت ہونے کے بعد مخصوص صیغے کا استعمال ضروری ہے جیسے حکمت میں نے فیصلہ دیا۔ الزمت، میں نے لازم کیا۔"(۳۳)

(۸) فتوی میں شرعی سوال کا جواب دیا جاتا ہے اس میں خبر کا معنی پایا جاتا ہے، گویا فتوی اخبار ہے اور قضاء انشا ہے۔ **الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:** ایک فرق یہ بھی ہے کہ فتوی میں حکم شرعی کا جواب (خبر) دی جاتی ہے، جبکہ قضا میں فریقین کے درمیاں حکم صادر کیا جاتا ہے۔"(۳۴)

(۹) اسی طرح سائل جو سوال کرے گا مفتی اس کو مد نظر رکھ کر جواب دے گا، البتہ یہ ضرور ہے کہ مفتی کو چوکنا اور دور اندیش ہو لیکن فتوی میں تحقیق و تفتیش مفتی کے ذمہ نہیں ہے، البتہ قضا میں بحث و مباحثہ، تفتیش ہر حال میں قاضی کے ذمہ ہے وہ مکمل تحقیق کے بعد فیصلہ کرنے کا پابند ہے۔

(۱۰) قضاء میں قاضی کا آزاد ہونا ضروری ہے جبکہ فتویٰ میں مفتی کے لیے حریت شرط نہیں ہے۔ جیسا کہ ما قبل میں شامی کے حوالہ سے گزر گیا۔

(۱۱) قضاء کے لئے اصل بنیاد اور دار و مدار شہادت (گواہی) ہوتی ہے جبکہ فتوی کا اصل اور اعتماد دلائل پر ہوتا ہے۔ **الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام میں ہے:** ''اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ قضا کا دار مدار شہادت پر ہے۔ اور فتاوی کا دار و مدار دلائل پر۔''(۳۵)

احتساب: احتساب کا معنی امر بالمعروف نہی عن المنکر، بھلائی کا حکم دینا اور اس کی ترویج کرنا اور برائیوں سے روکنا اور اس کا سد باب کرنا ہے۔ اسلامی حکومت کے تحت معروف کی تنفیذ اور برائی کی روک تھام اور مظالم کے سد باب کے لئے جو شعبے قائم کئے جاتے ہیں، ان میں ایک احتساب اور دوسرا قضاء ہے۔

شعبہ قضا: تمام امور جو عدالت میں پیش ہوں انکی بابت فیصلے کی ذمہ داری اس شعبے پر ہوتی ہے۔ شعبہ احتساب: محدود اور عمومی مسائل میں معمولی سرزنش کے ذریعے منکر کو روکنے اور بہ قوت عمل کرانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ یہ دونوں شعبے عدلیہ کے متعلق ہیں احتساب کا شعبہ پوری امت کا فریضہ ہے، کیونکہ پوری امت کو قرآن مجید میں ''خیر امت'' کہا گیا ہے: کنتم خیرامۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ [آل عمران: ۱۱۰] لہذا اس لحاظ سے احتساب پوری امت کا فرض منصبی ہے بلکہ نقطہ امتیاز ہے، لیکن اسلامی حکومت کے تحت احتساب کا شعبہ الگ سے قائم کیا جاتا ہے اور افراد متعین ہوتے ہیں۔ الاحکام السلطانیۃ میں احتساب کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے: ''حسبہ'' کا مطلب ہے امر بالمعروف کرنا جب اس کا کرنا چھوڑ دیا جائے اور نہی عن المنکر کرنا جب برائی کا ظہور ہو، یہ کام اگرچہ ہر مسلم کا فریضہ ہے لیکن محتسب اور متبرع (افعال خیر میں کامل شخص) میں فرق یہ ہے کہ محتسب کے لیے فریضہ متعین ہے حکومت کی طرف سے جبکہ اس کے علاوہ کے لیے یہ کام فرض کفایہ میں داخل ہے۔''(۳۶) **الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:** ''حسبہ لغت میں احتساب سے ہے، اس کے معانی ہیں اجر، حسن تدبیر، غور و فکر ہے اسی وجہ سے یہ مقولہ ہے کہ فلان حسن الحسبۃ فی الامر'' جب کوئی شخص اچھی تدبیر کرنے والا ہو، اصطلاح میں جمہور فقہاء نے یہ تعریف کی ہے کہ امر بالمعروف کرنا جب یہ کام ترک کر دیا گیا ہو، اور نہی عن المنکر کرنا جب برائی کا ظہور ہو۔ شعبہ احتساب قضاء سے اس کام میں زائد ہے کہ محتسب آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالہ سے تمام امور پر غور و فکر کرتا ہے اگرچہ اس کے پاس کوئی فریق نہ بھی آئے، بخلاف قاضی کے۔''(۳۷) **کشف الظنون میں ہے:** ''علمِ احتساب: یہ ان امور سے بحث کرتا ہے جن کا وقوع شہر والوں میں ہوتا رہتا ہے، مراد وہ معاملات جن کے بغیر معاشرے کی تکمیل نہ ہوتی ہو، کہ ان معاملات کو عدل کے قانون پر لایا جائے۔ اور اس علم کا تعلق لوگوں کے معاملات سے ہے کہ منکرات سے روکا جائے اور معروف کا حکم دیا جائے، اس حکمت کے ساتھ کہ لوگوں میں لڑائی جھگڑے اور آپس میں تفاخر نہ ہو، زجر اور توبیخ کے ساتھ جیسے خلیفہ وقت مناسب سمجھے۔''(۳۸)

شعبہ احتساب کی ابتدا اور ترویج کے متعلق ''التاریخ الاسلامی'' میں ہے: ''حسبۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالہ سے ایک دینی کام ہے جو شخص اس کا اہل ہو اس کو اس کام کے لیے متعین کیا جائے گا، معروف: ہر وہ نیکی جس کو شارع نے اچھا سمجھا اور حکم دیا۔ منکر: ہر وہ کام شارع نے اس کو برا سمجھا اس سے منع کیا۔ نہی عن المنکر ان بنیادی فرائض میں سے ہیں جس کے ذریعہ سے نفوس مہذب بنتے ہیں دین ضائع

ہونے سے محفوظ رہتا ہے، اس پر خاموشی اختیار کرنا شریعت کے مخالف اور گناہ ہے، اس شعبہ اور محکمے کی اصل بنیاد وہ روایت کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے ایک ڈھیر پر کھڑے ہوئے مدینہ کے ایک بازار میں، آپ کو وہ بہت اچھا لگا۔ آپ نے اس ڈھیر میں دست مبارک ڈالا تو ہاتھ کو کچھ تری لگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے افسوس کا اظہار فرمایا اور اعلان کیا، اے اس غذا کے مالک! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا اس کو بارش کا پانی لگا ہے۔ آپ نے فرمایا اس (گیلے حصے کو) اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ لوگ دیکھ سکتے، پھر ارشاد فرمایا: اے لوگوں مسلمانوں کے درمیاں ملاوٹ اور دھوکہ (جائز) نہیں۔ جو دھوکہ دہی کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بازاری معاملات پر نگران مقرر فرمایا: فتح مکہ کے بعد سعید بن العاص کو مکہ کے بازار کا نگہبان مقرر کیا۔ شعبہ احتساب کو سب سے پہلے رائج کرنے والے امیر المومنین عمر بن خطاب ہیں۔ اگرچہ اس کو مستقل نام سے مہدی عباسی کے زمانہ میں رواج دیا گیا۔ اسلامی شریعت شعبہ احتساب کا تقاضہ کرتی ہے، ہر مسلمان پر جو مکلف ہو اور دینی احکام جانتا ہو۔"(۳۹) **الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:** "شعبہ احتساب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رائج ہوا گرچہ اس نام سے اس کو شہرت مہدی عباس کے زمانہ میں ہوئی یہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے مگر محتسب اور متبوع (بھلائی کے کام کرنے والا) میں فرق ضروری ہے۔"(۴۰)

فتوی اور احتساب کا فرق: احتساب چونکہ عدلیہ سے ہی متعلق ایک شعبہ ہے اور قضاء سے قریب ہے، لہذا قضاء اور فتوی میں جو وجوہ فرق ہے وہی فتوی اور احتساب میں ہے، چند فروق مندرجہ ذیل ہیں: ا۔ احتساب کے شعبہ میں ہر قسم کے مسائل یا دعوی محتسب کے سامنے پیش نہیں کئے جاسکتے بلکہ یہ شعبہ حقوق الناس میں سے تین قسم کے دعاوی کے متعلق ہے (ا) ناپ تول میں کمی کا دعوی (۲) بیع اور ثمن میں دخل اور کھوٹ کا دعوی (۳) واجب الاداء دین کو باجود قدرت کے نہ دینے اور ٹالنے کا دعوی۔ جب کہ فتوی میں حقوق الناس یا چند متعین مسائل کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر طرح کے مسائل چاہے حقوق الناس ہوں یا حقوق اللہ کے متعلق ہو اور چاہے معاملات سے متعلق ہوں یا عبادات سے متعلق ہوں سب پر فتوی دیا جاسکتا ہے، **الاحکام السلطانیہ میں ہے:** "شعبہ احتساب کا تعلق عام دعوؤں سے نہیں ہے، بلکہ دعویٰ کی تین اقسام کو یہ شامل ہے، کیل یا وزن میں کمی بیشی کے معاملات، مبیعہ یا ثمن میں دھوکہ دہی اور ملاوٹ کے معاملات سے، ادائیگی پر قدرت کے باوجود کسی کا قرض ادا نہ کرنا اور ٹال مٹول کرنا۔ محتسب ان تین طرح کے معاملات کو نمٹا سکتا ہے، اس لیے کہ ان کا تعلق ظاہری منکرات سے ہے اور ان کو ختم کرنا اس شعبہ کی ذمہ داری ہے۔"(۴۱)

۲۔ اسی طرح احتساب میں قضاء کی طرح محتسب مدعی علیہ کو واجب شدہ حق ادا کرنے پر مجبور کرسکتا ہے جن دعاوی کی سماعت کا محتسب کو حق حاصل ہے، جب کہ فتوی میں مدعی علیہ پر حق ثابت ہو جانے پر بھی مفتی اس کو ادائے حق واجب شدہ پر مجبور نہیں کر سکتا، الاحکام السلطانیہ میں ہے: "محتسب کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مدعی علیہ کو حق ادا کرنے پر مجبور کر سکتا ہے لیکن ہر حق کے لازم کرنے کا اختیار نہیں بلکہ جن

حقوق کی سماعت کا حق محتسب کو حاصل ہے جب مدعلیہ کے اعتراف کے ساتھ وہ حق اس پر ثابت ہو اور وہ ادائیگی پر قادر بھی ہو مدعی علیہ اس کا حق کی ادائیگی میں تاخیر کرنا منکر میں شامل ہے اور محتسب کا فریضہ ہے اس کا ازالہ کرنا۔"(۴۲)

۳۔احتساب میں محکمہ احتساب کی کاروائی صرف ان امور میں نافذ ہوتی ہے جن کا مجرم اعتراف کریں اور جن امور کا طرفین انکار و ہٹ دھرمی کریں ان میں محکمہ احتساب کو دخل دینے کی اجازت نہیں ہے، جبکہ مفتی کا فتوی کسی اقرار یا اعتراف پر موقوف نہیں بلکہ سوال کے مطابق جواب دینے کا پابند ہے۔**الاحکام السلطانیہ میں ہے:** "شعبہ احتساب ان امور تک محدود ہے جن کا مجرم اعتراف کریں۔ جن امور و معاملات میں طرفین انکار سے کام لیں ان میں محتسب دخل نہیں دے سکتا۔"(۴۳)

۴۔احتساب میں محتسب اپنے فرض منصبی کو انجام دیتے اور ازالہ منکرات میں سلطنت کے دباؤ اور سختی کو کام میں لا سکتا ہے، جبکہ مفتی اپنے فتوی میں سلطنت کے دباؤ و سختی کی طرف محتاج نہیں، بلکہ فتوی میں حکم شرعی کا اظہار ہوتا ہے جبر و اکراہ نہیں۔ الاحکام السلطانیہ میں ہے:"احتساب کے شعبہ کے نگران کو یہ حق حاصل ہے کہ معاملات نمٹانے میں سلطنت کے زور کو اور اہل سلطنت کے دباؤ کو استعمال کر سکتا ہے، ان امور میں جن کا تعلق منکرات سے ہو، اس لیے کہ احتساب کی بنیاد ڈر اور رعب کے لیے رکھی گئی ہے، لہٰذا محتسب کا ان معاملات کے لیے دباؤ اور زور کو استعمال کرنا یہ حد سے تجاوز کرنا نہیں ہے۔"(۴۴)

۵۔افتا کا تعلق سوال سے ہے، عام طور پر جب کوئی سوال پیش کیا جاتا ہے تو مفتی اس سوال کے متعلق "فتوی" صادر کرتا ہے جب کہ احتساب میں یہ لازم نہیں کہ کوئی از خود قضیہ پیش کرے بلکہ محتسب از خود بھی تفتیش و تلاش سے معاملات نمٹانے کا حق رکھتا ہے اور اس کو اس کی اجازت ہے، اس لئے کہ محتسب ذمہ دار ہے کہ منکرات کی روک تھام کرے۔

اجتہاد: اجتہاد لغت میں: کسی کام کے لئے بھرپور کوشش کرنا اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے کی حد تک کام کرنا۔ اجتہاد اصطلاح میں: شرعی دلائل کی روشنی میں احکام شرع کو جاننے کے لئے اپنی علمی و فکری صلاحیتوں کو پورے طور پر صرف کرنا۔ **موسوعۃ اصطلاحات العلوم الاسلامیہ میں ہے:** "اجتہاد کی لغوی تعریف: کسی امر کے حصول میں اپنی تمام وسعت کو خرچ کرنا۔ جس میں مشقت اور تعب پایا جاتا ہو، اصولیین کی اصطلاح میں: شرعی حکم کے ذریعہ ظن کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اپنی وسعت کو صرف کرنا۔"(۴۵) **لسان العرب میں ہے:** "اجتہاد اور تجاہد: اپنی کوشش اور طاقت کو خرچ کرنا۔ حضرت معاذؓ کی روایت میں ہے: اجتہد برائی، یعنی میں اپنی رائے سے کوشش کروں گا۔ الاجتہاد: کوشش کرنا کسی امر کی طلب میں، یہ اجتہاد جہد اور طاقۃ سے مشتق ہے، اس سے مراد وہ معاملہ جو حاکم کے پاس پیش ہوا اس کو قیاس کے ذریعہ کتاب و سنت کی طرف لوٹانا، اس سے مراد وہ رائے نہیں جو بغیر کتاب و سنت سے استنباط کے اپنی طرف سے کی جائے۔"(۴۶)

ضرورت اجتہاد: شریعتِ محمدیہ قیامت تک کے لئے ہے اور کتاب اللہ اور سنت رسول بھی تا قیامت رہے گی اور ان دونوں میں انسان کو در پیش آنے والے ہر ہر مسئلہ کی وضاحت کے ساتھ تذکرہ نہیں ہے اور نہ ممکن تھا، اس لئے بھی سارے حالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیش نہیں آئے، بلکہ آج تک پیش آتے چلے آرہے ہیں اور قیامت تک آتے رہیں گے، اور اس لئے بھی کہ اگر ایک حال اور مسئلہ کا تفصیل سے ذکر کیا جاتا تو قرآن جیسی مختصر کتاب اور احادیث کا وسیع ترین ذخیرہ بھی محدود ہونے کی وجہ سے اس تفصیل کا حامل کیونکر ہوتا، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر ان سے استفادہ کہاں آسان رہ جاتا، اس لئے کتاب و سنت دونوں کو احکام شرع کے بیان کے لئے اصل الاصول اور مأخذ قرار دیکر ایک خاص حکیمانہ انداز میں ان دونوں میں احکام کا اصولا اور جامع انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے، کچھ احکام تو نہایت واضح الفاظ میں مذکور ہیں کچھ احکام اس انداز میں مذکور ہیں کہ الفاظ قرآن سے ان کو سمجھنے اور جاننے کے لئے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ انہی دوسری قسم کے احکام کے پیش نظر خاص طور سے کلام نبوی کے ذریعے قرآن مجید کی تشریح و توضیح کی ضرورت پڑی اگرچہ کلام نبوی سے بھی یہی انداز اپنائے گئے ہیں مگر قرآن مجید کے مقابلے میں زیادہ وسعت کے ساتھ ذخیرہ سنت میں احکام کی وضاحت کے ساتھ تذکرہ و بیان ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد توضیح و تشریح کا یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا ہے، البتہ ضرورت اب بھی باقی ہے اسی ضرورت کے پیش نظر کلام اللہ سے اور احادیث نبویہ سے دوسری قسم کے احکام سمجھنے کے لئے ہر دور کے فقہاء اور مجتہدین نے شرعی وسائل سے کام لیا ہے اور نئے نئے پیش آنے والے حالات و مسائل کے احکام بیان کیا ہے، یہ کام اگر اجتماعی طور پر ہوا تو اجماع کہلایا اور انفرادی طور پر ہوا یا ہو تا رہا ہے اس کو اجتہاد کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ **تاریخ الفقہ الاسلامی میں ہے:** ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جو خلفاء آئے جب ان کے سامنے کوئی معاملہ پیش کیا جاتا یا فتویٰ طلب کیا جاتا تو وہ اول اس کو کتاب اللہ میں تلاش کرتے اگر وہاں حکم نہ پاتے تو پھر سنت نبوی میں ڈھونڈتے، اگر وہاں بھی کوئی پہچان نہ مل پاتی تو لوگوں سے سوال کرتے کہ کیا کوئی اس معاملے میں سنت کی طرف راہنمائی پاتا ہے؟ جب کسی مسئلہ پر کتاب، و سنت کا حکم نہ ملتا تو کبھی تو اجتماعی طور پر کسی حکم کی بنیاد پر وہ اجتہاد کرتے یہ اجماع کہلاتا اور کبھی کسی انفرادی جزئیہ کے متعلق انفرادی اجتہاد کرتے۔''(۴۷)

فتوی اور اجتہاد میں فرق: ما قبل میں ذکر ہوا کہ فتوی کی اصطلاحی تعریف بعض حضرات نے وہی کی ہے جو اجتہاد کی ہے، ان کے نزدیک فتوی خود اجتہاد سے عبارت ہے، اسلئے اصولیین کی ایک جماعت غیر مجتہد کے لئے فتوی دینے کو جائز ہی نہیں سمجھتی۔ لیکن چوتھی صدی ہجری کے بعد جب تقلید کا رواج عام ہو گیا اور مجتہدین مفقود ہو گئے، تو جو لوگ فقہاء کے آراء و اقوال کو نقل کرتے تھے وہی لوگ مفتی کہلانے لگے تو متاخرین نے افتاء کے دائرہ کو وسیع کرا دیا، اور ایسے لوگ جو خود مجتہد نہ ہوں لیکن فقہاء کرام کے اجتہادات اور اقوال سے واقف ہوں ان کے لئے فتوی دینے کی وسعت فراہم کی جو کہ در حقیقت نقل فتوی ہے چنانچہ علامہ شامی نے لکھا ہے: ''بہر کیف غیر مجتہد آدمی جو مجتہدین کے اقوال کو یاد کر لے وہ حقیقتاً مفتی نہیں ہے، اس پر لازم ہے کہ جب اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ کسی مجتہد کے قول کو بطور حکایت نقل

کرے مثلاً، کہے کہ امام صاحبؒ یہ فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے کے مفتیوں کے جو فتاویٰ ہیں وہ حقیقی فتاویٰ نہیں بلکہ مفتی کے کلام کو نقل کیا جاتا ہے تا کہ مستفتی اس سے حل کو آخذ کر سکے۔"(۴۸)اس لئے فتوی اور اجتہاد کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے فرق مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔افتاء کا تعلق سوال سے ہے یہ عام طور پر جب کوئی سوال سامنے آتا ہے تو مفتی اس کا جواب دیتا ہے جب کہ اجتہاد کے لئے سوال ضروری نہیں بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں بھی اجتہاد کیا جاتا ہے جن کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا گیا ہو، بلکہ اجتہاد تو ایسے مسائل پر بھی انعقاد پذیر ہوتا ہے جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے۔

۲۔ جو احکام قطعی ہیں ان میں اجتہاد کا دخل نہیں ہوتا ان سے متعلق اجتہاد نہیں کیا جاتا، لیکن فتوی احکام قطعیہ وظنیہ دونوں کے بارے میں دیا جاتا ہے۔

۳۔اجتہاد احکام کو دریافت کرنے کا نام ہے کہ احکام پہلے سے اس بارے میں موجود نہیں ہوتا جب کہ فتوی دریافت شدہ، بیان شدہ احکام کو ضرورت مند مستفتی اور سائل تک پہنچاتا ہے۔

۴۔اجتہاد کی حیثیت بمقابلہ فتوی کے ایک عام کلی کی ہوتی ہے اور فتوی اکثر اوقات کسی خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے اسی بناء پر بسا اوقات مفتی کو مستفتی کی نفسیات اور اس کے ماحول سے واقفیت سے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص اس شہر کا باشندہ ہو اور وہاں کی بول چال محاورات سے واقف ہو اسی کو اس بارے میں فتوی دینا چاہئے۔ جب کہ اجتہاد میں ان چیزوں کی طرف احتیاج نہیں پائی جاتی۔

۵۔اجتہاد اس سے بھی تام و مکمل ہو جاتا ہے جب کوئی فقیہ کسی مسئلہ سے متعلق خود حکم معلوم کرلے جب فتوی میں سائل تک اس حکم کو پہنچانا ضروری ہے۔ **تاریخ الفقہ الاسلامی میں ہے:** "اجتہاد اگرچہ بنسبت افتاء کے عام ہے اس لیے کہ مجتہد آدمی اپنی ذات کے لیے بھی اور دوسرے افراد کے واسطے بھی احکام مستنبط کرتا ہے، بسا اوقات ان امور میں جو پیش آچکے ہیں اور کبھی ان میں جو پیش نہیں آتے، لیکن افتاء صرف ان مسائل سے متعلق ہوتا ہے جو پیش آچکے ہوں اور مفتی سے پوچھا گیا ہو، اگرچہ "قضاء" اور "افتاء" دونوں اس معنٰی میں مشترک ہیں کہ "اللہ کے حکم کو بتلانا جس کو اختیار کرنا لازم ہو۔"(۴۹) **الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:** "اجتہاد: فقیہ کا اپنی کوشش وطاقت کو حکم شرعی کے حصول میں خرچ کرنا، اجتہاد اور قضاء میں فرق:۔افتاء ان احکام سے متعلق ہے جن کا علم قطعی یا ظنی طور پر ہو چکا ہو، لیکن اجتہاد و قطعی امور میں نہیں کیا جاتا۔ اور اجتہاد اس سے بھی مکمل ہو جاتا ہے کہ مجتہد بذات کو دایک حکم کو حاصل کرے، جبکہ افتاء اس وقت مکمل ہوتا ہے جب مسئلہ کا جواب سائل تک پہنچا دیا جائے۔"(۵۰)

عصر حاضر میں فتوی و قضاء کی حیثیت: اسلامی معاشرہ کے لئے تعلیمات نبوت اور شریعت مقدسہ سرچشمہ ہدایت ہے بلا تخصیص مرد وزن اہل اسلام کو اس امر کا مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی انفرادی واجتماعی زندگیوں میں مرضیات خداوندی سے تجاوز نہ کریں۔ احکام خداوندی کا احاطہ

اور علوم دینیہ میں تبحر معاشرے کے ہر ہر فرد کے لئے ممکن نہیں ورنہ باقی سب نظام معاش وحیات معطل ہو کر رہ جائے گا، آیت کریمہ ''فلولا نفر من کل امۃ منہم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین'' (توبہ) میں اسی طرف اشارہ ہے پس ضابطہ تقسیم کار اور آیت بالا کے تحت لازم ہوا کہ امت مسلمہ کی ایک بڑی جماعت علوم قرآن وسنت اور تفقہ فی الدین میں مہارت کاملہ اور تبحر حاصل کر کے باقی طبقات امت کی راہنمائی کے فرائض سرانجام دے تا کہ امت کا ہر فرد اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں بسہولت ہدایت حاصل کر کے وظیفہ عبودیت اور طاعت خداوندی کا فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکے، اس لئے کوئی مسلمان خواہ وہ ولی ہو، قطب ہو، محدث ہو، مفسر ہو غرض جو بھی ہو وہ اپنی معلومات میں مفتی کا محتاج ہے۔ بغیر اس کی کدوکاوش، تحقیق وجواب مسئلہ کا حل آسان نہیں ہے، کوئی شخص دعوی نہیں کر سکتا ہے کہ ہمیں اپنی زندگی میں کسی مرحلہ پر کوئی ایسا سوال سامنے نہیں آیا، جس میں فقہ وفتاوی کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں پڑی، فقہ اور فتاوی ایسا فن ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں، عبادات واخلاق معاملات واعمال میں سینکڑوں مواقع ایسے آتے ہیں جہاں انسان کو راہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ اس کٹھن مواقع میں یقینی طور پر فقہ وفتاوی اور فقہائے کرام ومفتیان کرام کی رہبری کا محتاج ہوتا ہے، ہر شخص کو اپنی منہمک زندگی میں از خود مسائل تلاش کرنے کی فرصت نہیں تو علما وفقہا امت کی جو راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اسی کا نام افتا ہے۔ یہ انتہائی اہم نازک اور عظیم الشان ذمہ داری ہے، کیونکہ افتا کی حقیقت بندوں اور خدائے تعالیٰ کے درمیان سفارت اور واسطہ بننے کی ہے، مستفتی حق تعالی جل شانہ کا حکم معلوم کرنے کی غرض سے مفتی کے پاس آتا ہے اور مفتی اپنی مرضی یا منشا سے یا اپنی ذاتی رائے سے حکم بتلانے کی بجائے اس حادثہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف راہنمائی کرتا ہے، امام شاطبیؒ نے موافقات میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے، امام موصوف نے یہاں تک صراحت فرمادی ہے کہ مفتی امت میں افتاء اور تعلیم وتبلیغ کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہوتا ہے، ملاحظہ ہو: ''مفتی کی حیثیت امت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی ہے، اس پر کئی امور دلیل ہیں: اول: حدیث میں ہے: علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں، اور انبیائے کرام دینار اور دراہم کی میراث نہیں چھوڑتے بلکہ علم کی میراث چھوڑتے ہیں، دوم: مفتی، نبی کی طرف سے احکام پہنچانے میں نائب ہے، حدیث میں ہے ''تم میں سے موجود اشخاص غائب لوگوں تک پیغام پہنچائیں، سوم: مفتی ایک حیثیت سے بمنزلہ شارع کے ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مفتی بھی اللہ کے احکام بتلانے والا نبی صلی اللہ وسلم کی طرح۔'' (۵۱) ابن صلاحؒ فتوی کی اہمیت وعظمت کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، علماء انبیاء کے وارث ہیں، اس روایت سے علماء کی نمایاں حیثیت واضح ہوئی جس کے ذریعہ وہ پوری امت سے ممتاز ہوگئے، اسی وجہ سے فتاویٰ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے مہر شدہ ہوتا ہے۔'' (۵۲) فتوی کی قدر ومنزلت اور عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن مجید میں منصب افتاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات عالی سے منسوب فرمایا ہے، ارشاد ہے:

قل الله یفتیکم فی الکلالۃ [النساء:۱۶۷] ۔''ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے متعلق حکم دیتا ہے۔'' کلالہ سے متعلق سوال کے جواب میں خود اللہ تعالیٰ فتوی صادر فرما رہے ہیں اس عظیم تر نسبت سے اس منصب جلیلہ کی طرح اس کی نزاکت بھی دوبالا ہو جاتی ہے، کوئی بھی مفتی جب فتوی

دیتا ہے تو گویا وہ مستفتی کو در پیش مسئلہ میں حکم الٰہی بتا رہا ہوتا ہے۔اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر اس عظیم اور پر وقار عہدہ کو سنبھالے رکھے اور بے شمار فتوے جاری فرمائے اگرچہ اس وقت فتوی یا مفتی کی اصطلاح جاری نہ تھی،پہلے بتایا جا چکا ہے کہ فتوی کا اصل معنی کسی شرعی مسئلہ کا جواب دینا ہے اس اعتبار سے پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں سائل کے جوابات فتاوی ہی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے مفتی اعظم تھے۔چونکہ رسول ''مفتی'' سے بدرجہا افضل و بہتر ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول مقدس کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں، آپ علیہ السلام کے فتاوی حدیث نبوی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ علیہ السلام کے فتاوی کی حیثیت اسی قدر اونچی ہے جس قدر آپ کی ذات اونچی ہے۔ فتوی کی مذکورہ اہمیت اور عظمت کے پیش نظر اصولاً تو اسلامی حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ماہر فی العلم اور راسخ علما حضرات پر مشتمل دار الافتا کا قیام کرے، لیکن افسوس کہ نام نہاد اسلامی حکومتوں کو اب ان علمی دینی امور سے مناسبت نہیں رہی، لہذا دار الافتاء کا قیام مدارس دینیہ بذات خود اس خلوص نیت سے عمل میں لایا جاتا ہے کہ لوگ اپنے مسائل کا حل یہاں سے بلا معاوضہ طلب کریں اور اپنے تنازعات بلا کسی تاخیر و ٹال مٹول کے ختم کرا سکیں، اسلئے کہ ہمارے ملک کی عدالتوں میں تنازعات اور مقدمات کے حل کا طریقہ کار کسی سے مخفی نہیں کون اس بات کو نہیں جانتا کہ انصاف کے متلاشیوں سے کس قدر بے انصافیاں ہوتی ہیں، بلکہ ہزاروں روپیہ، بلکہ لاکھوں روپے وکلا، کورٹ فیس جیسے بار گراں کا کندھوں پہ اٹھانے کا تحمل استطاعت سے باہر ہے اور اس کے ساتھ طویل مدت تک تاریخیں اور پیشیوں سے گذر جانے کے بعد فیصلہ کاالگ سے انتظار کرنا پڑتا ہے، قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے فرضی گواہوں کے علاوہ بیان حسب ضرورت اور خلاف واقعہ تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے: کچھ لوگ ان سب باتوں کے باجود مقدمہ کا فیصلہ سننے کی حسرت میں پیوند خاک ہو جاتے ہیں۔اس کے برعکس دینی مدارس و جامعات کے شعبہ دار الافتاء میں تنازعات کے تصفیہ کے لئے نہ تاریخوں کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ پیشیوں کی نہ کورٹ فیس کی لوٹ کھسوٹ ہوتی ہے بلکہ اسلامی شریعت کے عادلانہ قانون کے مطابق انصاف مفت میں فراہم کیا جاتا ہے اس لئے کہ اسلام میں انصاف خرید و فروخت کی چیز نہیں۔اگر لوگ ان دار الافتاؤں کی اہمیت و افادیت کو جان کر شرعی حکم پر متفق ہو کر ان مراکز اسلامیہ کی طرف رجوع کریں تو لاکھوں پریشانیوں اور مصیبتوں سے بچ سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ لوگ اپنی انا کی جنگ ہزاروں، لاکھوں روپیہ برباد کرتے ہیں، ہزاروں قسم کے مسائل پریشانیاں سر پر اٹھا کر عدالتوں کے چکر لگاتے رہتے ہیں، اس دوران ایک تنازعہ سے دیگر کئی تنازعات اور عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بہر حال ''افتاء'' کا طرز و انداز وہ نہیں جو عدالتوں میں ججوں کا ہوتا ہے، افتا کی حقیقت احکام خداوندی کی تبلیغ و ترجمانی ہے افتاء کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد یہ تسلیم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، کہ شرعی فتوی کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا ملکی و قومی ادارے احکام شرعیہ کے پابند ہیں ،فتوی صرف مطابقت حکم خداوندی کا پابند ہے۔اسمبلی یا عدالتوں کا فیصلہ انسانوں کا فیصلہ ہے اور شرعی فتوی حکم خداوندی کا قائم مقام ہے، انسانی فیصلوں سے حکم خداوندی میں تغیر و تبدل یا اس کو ختم نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ مذکورہ تمہید و تفصیل سے معلوم ہوا کہ عصر حاضر میں علماء کرام کے فتاوی کی حیثیت عدالتی فیصلوں جیسی ہے،

جوآئین کی شقوں و جزئیات کی توضیح اور اطلاق کی تشریح کرتے ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بجا ہے کہ فتاوی کی حیثیت حقیقتاً عدالتی فیصلوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ حکم خداوندی کے قائم مقام ہے۔

حوالہ جات:

(۱) سنن ابن ماجة، مقدمة، باب اجتناب الرأي والقياس، رقم الحديث:۵۳، ۱؍۸۰ ط:دارالجيل بيروت ، ۱۴۱۸ھ،۱۹۹۸ء

(۲)مسنداحمد، ۲؍۴۹۷، ط:المكتب الاسلامى للطباعة والنشر، الطبعة الخامسۃ۱۴۰۵،۱۹۸۵

(۳) فتى وفتوى: اسمان يوضعان موضع الإفتاء، ويقال: أفتيت فلانا رؤيا رأها إذاعبرتهاله ، وأفتيته في مسألة إذا أجبته عنها، وفي الحديث: إن قوما تفاتوا إليه معناه تحاكموا عليه وارتفعوا إليه في الفتيا، يقال: أفتاه في المسألة يفتيه اذا أجابه والاسم الفتوى،
قال الطرماح:أنخ بفناءأشدق من عدى ومن جرم وهم أهل التفاتي۔ أي التحاكم، واهل الافتاء، قال: والفتيا تبيين المشكل، والفتيا والفتوى: ماأفتى به الفقيه، الفتح في الفتوى لأهل المدينة۔ (لسان العرب،۱۵؍۱۷۰، الطبعة الاولی۲۰۰۳م،۱۴۲۴ھ، ط:دارالكتب العلمية بيروت لبنان۔)

(۴)الفتوى فى الاصطلاح :تبيين الحكم الشرعى عن دليل لمن يسأل عنه۔ (الموسوعة الفقهية:۳۳؍۲۰ ط: كويت)

(۵) الفتوى فى الاصطلاح : تبيين الحكم الشرعى عن دليل لمن يسأل عنه وہذا يشمل السؤال فى الوقائع وغيرہا۔ (شرح المنتہى ج:۳ص۴۵۶)

(۶) فقه اسلامى كاتاريخى پس منظر، محمدتقى امينى، ص:۴۲،۴۰،قديمى كراچى، جديدايڈيشن ستمبر۱۹۹۱ء۔

(۷) فن اصول فقه كى تاريخ، ڈاكٹرفاروق حسن، ص۱۰۳، ط:دارالاشاعت كراچى، طباعت:اكتوبر۲۰۰۶ء

(۸)نشأت احكام الفقه مع نشأۃ الاسلام،لان الاسلام هومجموعة من العقائد والأحكام العلمية، وقدكانت ہذہ الأحكام العلمية فى عہدالرسول مكونة من الأحكام التي وردت في القرآن ومن الأحكام التى صدرت من الرسول فتوى فى واقعة أوقضاء فى خصومة أوجواباعن سؤال فكانت مجموعة الأحكام الفقهية في طورهاالأول مكونة من أحكام االله ورسوله ومصدرها القرآن والسنة۔ (المدخل الى دراسة التشريع الاسلامى لمحمدعوض النهرايميه ومصطفى احمدنجيب ص۹، ط:دارعمار، الطبعة الاولى۱۴۱۱؍۱۹۹۹ء، علم اصول الفقه :لعبدالوهاب خلاف،ص۱۵، مكتبةالدعوة الاسلاميه دارالعلم مصرالطبعةالثامنة۱۳۵۵؍۱۹۴۷ء)

(۹)وكان صلى االله عليه وسلم يستفتيه الناس في الوقائع، فيفتيهم، وترفع اليه القضايا فيقضي فيها،ويرى الناس يفعلون معروفا فيمدحه أومنكرا فينكرعليه، وكل ما أفتى به مستفتيا، أوقضى به فى قضية، أوأنكره على فاعله، كان فى الاجتماعات۔۔۔ وبالجملة فہذه عادته الكريمة، صلى االله عليه وسلم .فرأى كل صحابي مايسره االله له من عبادته وفتاواه وأقضيته فحفظها، وعقلها، وعرف لكل شىء وجها من قبل حفوف القرائن به، فحمل بعضها على الاباحة، وبعضها على النسخ لأمارات وقرائن كانت كافية عنده، ولم يكن العمدة عندهم الاوجدان الاطمئنان والثلج من غيرالتفات الى طرقالا ستد لا ل،كماترى الأعراب يفهمون مقصودالكلام فيما بينهم، وتثلج صدورهم بالتصريح والتلويح والايماء من حيث لايشعرون۔ (حجةالله البالغة، للشاه ولى الله احمد بن عبدالرحيم ۱؍۳۲۳،۳۲۲، ط:قديمى كتب خانه كراچى۔)

(۱۰)ويروى عن سهل بن ابى عمرحيثمة،قال: كان الذين يفتون على عہدرسول الله صلى الله عليه وسلم ثلثة من المهاجرين، وثلثة من الانصار:عمر،وعثمان، وعلى، وابى بن كعب، ومعاذبن جبل، وزيدبن ثابت۔ وعن على بن عبدالله بن يسارالاسلمى قال: كان عبدالرحمن بن عوف ممن يفتى فى عہدرسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (الفكرالسامى فى تاريخ الفقه الاسلامى ۱؍۲۳۲،۲۳۱، لمحمد بن الحسن الجحوى۱۳۷۶ھ، دارابن الباز)

(۱۱)ثم قام بالفتياالصحابة رضى االله عنهم وقدذكر ابن القيم فى اعلام الموقعين: ان الذين حفظت عنهم الفتيا من اصحاب النبى صلى االله عليه وسلم مائةونيف وثلاثون نفسا مابين رجل وامرأة، وكان المكثرون منهم سبعة، عمربن الخطاب وعلى بن ابى طالب، وعبداالله بن مسعود، وعائشةام المؤمنين، وزيدبن ثابت وعبداالله بن عباس وعبداالله بن عمر، وذكرابن حزم انه يمكن من فتوى كل واحدمنهم سفرضخم۔قال: وقدجمع ابوبكرمحمدبن موسى بن يعقوب بن اميرالمؤمنين والمامون فتياعبدالله بن عباس فى عشرين كتابا، وابوبكرمحمدالمذكوراحد أئمة الاسلام فى العلم والحديث۔واما المتوسطون من الصحابة فيماروى عنهم من الفتيا، فعددہم اكثر، منهم ابوبكرالصديق،و ام سلمة، وانس بن مالك، وابوسعيدالخدرى، وعثمان بن عفان، وابوهريرة، وعبداالله بن عمروبن العاص وعبداالله بن زبير، وابوموسى الاشعرى، وسعد بن ابى وقاص، وسلمان الفارسى، وجابربن عبدالله، ومعاذبن جبل، وطلحة، والزبير، وعبدالرحمن بن عوف، وعمران بن حصين وابوبكرة ، وعبادة بن الصامت، ومعاوية بن ابى سفيان رضى الله عنهم فهؤلاء عشرون من الصحابة، يمكن ان يجمع من فتياكل واحد منهم جزء صغيرجدا، والباقون من الصحابة مقلون فى الفتيا، لايروى عن الواحد منهم الاالمسئلة والمسئلتان والزيادة اليسيرةعلى ذلك، ويمكن ان يجمع من فتيا جميعهم جزء صغيرفقط بعدالتفصى والبحث۔ ((اعلام الموقعين۱؍۹، كل المجلدات:۴،

دارالکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۹۹۶ء، اصول الافتاء للشیخ محمدتقی عثمانی، ۱٫۲۳،۲۲، کل مجلد۱، مکتبہ شیخ الاسلام داکابنغلادیش، الطبعةالاولی۱۴۲۶ھ)

(۱۲)لقداقررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الاجتھاد فیمالم یجدفیہ نصا عن االلہ ورسولہ ،فعن اناس من اصحاب معاذعن معاذ: ان رسول االلہ صلی االلہ علیہ وسلم لمابعثہ الی الیمن قال:کیف تصنع ان عرض لک قضاء؟قال: أقضی بمافی کتاب االلہ! قال فان لم یکن فی کتاب اللہ؟ قال: فبسنة رسول االلہ صلی االلہ علیہ وسلم! قال: فان لم یکن فی سنةرسول االلہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال:اجتھدرأیی ولا آلوا: قال وضرب رسول االلہ صلی اللہ علیہ وسلم صدری ثم قال: الحمدللہ الذی وفق رسول رسول اللہ الی مایرضی رسول االلہ (اعلام الموقعین لابن قیم الجوزیة ۱٫۵۴، تاریخ التشریح الاسلامی لمعرض وعادل ۱٫۴۶۶)

(۱۳)وقدکان اصحاب رسول االلہ صلی االلہ علیہ وسلم اذا سئلوا عن مسألة یقولون: قال االلہ کذا، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا، أوفعل رسول االلہ صلی االلہ علیہ وسلم کذا، ولایعدلون عن ذلک ماوجدوا إلیہ سبیلا قط، فمن تأمل اجوبتھم وجدھا شفاء لمافی الصدور۔ (اعلام الموقعین، ۴٫۱۷۰، دارالجیل بیروت لبنان، کل المجلدات:۴)

(۱۴)قال الشعبی : ثلاثة یستفتی بعضھم من بعض: فکان عمروعبداللہ وزیدبن ثابت یستفتی بعضھم من بعض وکان علی وابی بن کعب وابوموسی الاشعری یستفتی بعضھم من بعض، قال الشیبانی: فقلت للشعبی:وکان ابوموسی بذلک، فقال:ماکان اعلمہ قلت:فأین معاذ؟ فقال ھلک قبل ذلک۔اعلام الموقعین ۱٫۱۵،فصل: الصحابة سادة اہل الفتویٰ، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان۔

(۱۵)کان المرجع بعدالصحابة فی الفتاوی الی کبارالتابعین، وکانوا منتشرین فی البلاد التی عمرھا المسلمون بفتوحاتھم، وقدعدالامام ابن القیم فی اوائل ''اعلام الموقعین'' عددا عدیدا منھم کما ان کثیرا من الحفاظ الفوا فی طبقاتھم اجزاء ومجلدات، وان الفقھاء من التابعین صارواعلی قسمین: القسم الاول: من کان معظم اشتغالہ روایة الحدیث، ولایتکلم فی الفقہ الابما کان صریحافی الکتاب والسنة، ولم یکن یصرف ھمہ الی استنباط المسائل الجزئیة التی لم تقع بعد، وکان ذلک من اجل ان معظمھم کانوا یکرھون الخوض فی الرأی والقیاس، ویھابون الفتیا والاستنباط الالضرورة لایجدون منھابدا۔القسم الثانی: من نصب نفسہ للفقہ والفتوی، فلم یقتصروا علی روایة الاحادیث والآثار، بل اجتھدوا فی جمع المسائل وتفریع الجزئیات، حتی کان لہ فی کل باب من الفقہ والفتوی، ومنھم من دون فقھہ فی کتاب مثل الشعبی ومکحول، وکان کل واحد من ھذین القسمین یأخذ فی فتواہ بماتیسر لہ من الاحادیث وآثارالصحابة وانتصب فی کل بلد من بلادالاسلام امام یتبعہ کثیرمن الناس فی الفقہ والفتوی، وکان فی المدینة: سعیدبن المسیب،و ابوسلمةبن عبدالرحمن بن عوف،و عروةبن الزبیر،و عبیداللہ، و قاسم بن محمد،و سلیمان بن یسار،وخارجة بن زید ویقال لھم الفقھاء السبعة وقدذکربعضھم ابابکربن الحارث بن ھشام من جملتھم عوضا عن ابی سلمة بن عبدالرحمن۔ثم جاء بعدھم: الزھری، والقاضی یحیی بن سعید، وربیعة بن عبدالرحمن اشتھروا بالفقہ والفتیا بالمدینة المنورة۔وأما فی مکة المکرمة فاشتھر منھم: عطاء بن أبی رباح ، وعلی بن أبی طلحة، وعبدالملک بن جریج وغیرھم۔وفی الکوفة: ابراھیم النخعی، وعامربن شراحیل الشعبی، وعلقمة، والاسود، ومرة الھمدانی...وفی البصرة: الحسن البصری وبالیمن: طاووس بن کیسان، وبالشام مکحول وغیرھم۔ (تاریخ التشریع الاسلامی، تالیف: الشیخ محمد الخضری بک، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان، عدد المجلدات:۱)

(۱۶)والذین حفظت عنھم الفتوی من أصحاب رسول االلہ صلی االلہ علیہ وسلم مائة ونیف وثلاثون نفسا مابین رجل وامرأة: فکان المکثرون منھم سبعة: عمربن الخطاب وعلی بن ابی طالب وعبداللہ بن مسعود وعائشة أم المؤمنین وزیدبن ثابت وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمر۔۔۔۔۔۔ قال أبومحمد: والمتوسطون منھم فیما روی عنھم من الفتیا أبوبکرالصدیق وأم سلمة وأنس بن مالک وأبوسعیدالخدری وأبوھریرة وعثمان بن عفان وعبدااللہ بن عمروبن العاص وعبداللہ بن الزبیر وأبوموسی الأشعری وسعدبن ابی وقاص وسلمان الفارسی وجابربن عبداللہ ومعاذبن جبل فھؤلاء ثلاثة عشر یمکن أن یجمع من فتیاکل واحدمنھم جزء صغیرجدا، ویضاف الیھم طلحة وزبیروعبدالرحمن بن عوف وعمران بن حصین وأبوبکرة وعبادة بن الصامت ومعاویة بن ابی سفیان . رضی االلہ عنھم اجمعین . (اعلام الموقعین:۱٫۱۰٫، فصل الاصحاب رضی االلہ عنہ۔ط: دار الکتب العلمیة بیروت)

(۱۷)فصل: ثم صارت الفتوی فی أصحاب ھؤلاء کسعیدبن المسیب روایة عمروحامل علمہ۔۔ (اعلام الموقعین :۱۸۱۰، فصل من صارت الیہ الفتویٰ من التابعین، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۱۸)فصل: وکان المفتون بالمدینة من التابعین: ابن المسیب وعروة بن الزبیر والقاسم بن محمد وخارجة بن زیدوأبابکربن عبدالرحمن بن حارث بن ھشام وسلیمان بن یساروعبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود۔۔ وکان من أھل الفتوی أبان بن عثمان وسالم ونافع وأبوسلمة بن عبدالرحمن بن عوف وعلی بن الحسین۔۔ (اعلام الموقعین ۱٫۱۹ ط:دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۱۹) وکان المفتون بمکة: عطاء ابن أبی رباح وطاووس بن کیسان ومجاھدبن جبر وعبیدبن عمیر وعمروبن دینار وعبداللہ بن أبی ملیکة وعبدالرحمن بن سابط وعکرمة۔فصل: وکان من المفتین بالبصرة عمروبن سلمة الجرمی وأبومریم الحنفی وکعب بن سود والحسن البصری وأدرک خمسمائة من الصحابة وقدجمع بعض العلماء فتاویہ فی سبعة اسفارضخم۔ قال ابومحمد: وابوالشعثاء جابربن زید ومحمدبن سیرین وأبوقلابة عبدااللہ بن زید الجرمی ومسلم بن یسار وأبوالعالیة وحمید بن عبدالرحمن ومطرف بن عبداللہ الشخیروزرارة بن ابی اوفی وابوبردة بن ابی موسی۔۔ (اعلام الموقعین عن رب العالمین لابن قیم الجوزیة :۱٫۱۹ . ۲۰، فصل فقھاء مکة ، فقھاء والبصرة، ط: دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲۰)فصل: وكان من المفتين بالكوفة: علقمة بن قيس النخعي والأسودبن يزيدالنخعي وهوعم علقمة وعمروبن شرحبيل الهمداني ومسروق بن الأجدع الهمداني وعبيدة السلماني وشريح بن الحارث القاضيوسليمان بن ربيعة الباهلي وزيد بن صوحان وسويدبن غفلة والحارث بن قيس الجعفي وعبدالرحمن بن زيدالنخعي وعبداالله بن عتبة بن مسعود القاضي وخيثمة بن عبدالرحمن وسلمة بن صهيب ومالك بن عامر وعبداالله بن سخبرة وزربن حبيش وخلاس بن عمرو وعمرو بن ميمون الأودي وهمام بن الحارث والحارث بن سويد ويزيد بن معاوية النخعي والربيع بن خثيم وعتبة بن فرقد وصلة بن زفر وشريک بن حنبل وأبووائل شقيق بن سلمة وعبيدبن نضلة وهؤلأ أصحاب علي وابن مسعود۔۔۔ ويضاف الى هؤلاء ابوعبيدة وعبدالرحمن ابناعبدالله بن مسعود ، وعبدالرحمن بن أبي ليلى وأخذ عن مائة وعشرين من الصحابة وميسرة وزادان والضحاک۔ (اعلام الموقعين عن رب العالمين، لابن قيم الجوزية:۱،۲۰ . ۲۱،ط:دارالكتب العلمية بيروت)

(۲۱) ثم بعدهم: ابراهيم النخعي وعامرالشعبي وسعيدبن جبير والقاسم بن عبدالرحمن بن عبدالله بن مسعود وأبوبكربن أبي موسى ومحارب بن دثاروالحكم بن عتيبة وجبلة بن سحيم وصحب ابن عمر۔ (اعلام الموقعين عن رب العالمين، لابن قيم الجوزية:۱،۲۰ . ۲۱،ط:دارالكتب العلمية بيروت)

(۲۲) ثم بعدهم: حماد ابن أبي سليمان وسليمان بن المعتمر وسليمان الأعمش ومسعر بن كدام، ثم بعدهم محمدبن عبدالرحمن بن أبي ليلى وعبدالله بن شبرمة وسعيدبن أشوع وشريک القاضي والقاسم بن معن وسفيان الثوری وأبوحنيفة والحسن بن الصالح بن حي۔ (اعلام الموقعين عن رب العالمين، لابن قيم الجوزية:۱،۲۰ . ۲۱،ط:دارالكتب العلمية بيروت)

(۲۳)فصل: وكان من المفتين بالشام: أبوادريس الخولاني وشرحبيل بن السمط وعبداالله بن أبي زكريا الخزاعی، وقبيصة بن ذؤيب الخزاعي وحبان بن أمية وسليمان بن حبيب المحاربي والحارث بن عميرالزبيدي وخالدبن معدان وعبدالرحمن بن غنم الأشعری وجبيربن نفير،ثم كان بعدهم: عبدالرحمن بن جبيربن نفير ومكحول وعمربن عبدالعزيز ورجاء بن حيوة وكان عبدالمالک بن مروان يعدفي المفتين قبل أن يلي ماولی۔ وحديربن كريب (اعلام الموقين عن رب العالمين:۱،۲۱ . ۲۲، فصل فقهاء الشام، ط: دار الكتب العلمية بيروت)

(۲۴) ثم كان بعدهم: يحيیٰ بن حمزة القاضي وأبوعامر،وعبدالرحمن الأوزاعي واسماعيل بن أبي المهاجر وسليمان بن موسى الأموي وسعيدبن عبدالعزيز۔ (اعلام الموقين عن رب العالمين:۱،۲۱ . ۲۲، ط: دار الكتب العلمية بيروت)

(۲۵) فصل فی المفتين من أهل مصر: يزيدبن أبي حبيب وبكيربن عبدالله بن الأشج وبعدهما: عمروبن الحارث۔ وقال ابن وهب: لوعاش لناعمروبن الحارث مااحتجنا معه الى مالک ولاالى غيره، والليث بن سعدوعبيدالله بن أبي جعفر۔ (اعلام الموقين عن رب العالمين:۱،۲۱ . ۲۲، ط: دار الكتب العلمية بيروت)

(۲۶)القضاء لغة:هوفصل القاضي بين الخصوم ويقال له أيضا الحكم والحاكم۔ (اعلام الموقعين لابن قيم الجوزية ۱،۳۶، الطبعة السابعة، ۱۴۲۶ھ،۲۰۰۵ھ دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲۷)اما لغة فالقضاء يعبر عن اللزوم ولذا سمی الحاكم قاضيا وقيل القضاالحكم واصله قضای۔واما شريعة فالقضاء فی متعارف الشرع ’’فصل الخصومات وقطع المنازعات‘‘ والقاضي فاصل الخصام ومبين الحق من المبطل ۔ (صنوان القضاء وعنوان الافتاء، تاليف:القاضی عمادالدين محمدبن محمدالمتوفی ۴۶۴هج ط:وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامية بدولة الكويت:۱،۶۹۶۷، سن طبع:۱۴۲۲ھ ۲۰۰۱ء كل مجلدات:۴)

(۲۸)لافرق بين المفتی والقاضی الا ان المفتی مخبرعن الحكم والقاضی ملزم به قال الشامی:(قوله لافرق) ای كلا منهما لايجوز له العمل بل عليه اتباع مارجحوه فی كل واقعة وان كان كالمفتی مخبرا والقاضی ملزما (حاشيه ردالمحتار لمحمدامين بالشهير ابن عابدين الشامی ج۱ ص۷۴ ط:ايچ ايم سعيدكمپنی)

(۲۹)فی ايمان البزازية:المفتی يفتی بالديانة والقاضی يقضی بالظاهر۔ (كتاب القضاء، ج۵، ص۳۶۵ ط:ايچ ايم سعيدكمپنی كراتشی)

(۳۰)اما الحاكم فحكمه جزئی خاص لايتعدد الی غيرالمحكوم عليه، فالمفتی يفتی حكما عاماكليا أن من فعل كذا ترتب عليه كذا ومن قال كذا الزمه كذا، والقاضی يقضی قضامعينا علی شخص معين فقضائه خاص ملزم وفتوی العالم عامة غيرملزمة۔ (اعلام الموقعين ج:۱ ص۳۱ ط:بيروت)

(۳۱) أن احدالخصمين اذا دعا الآخر الی فتاوی الفقهاء لم يجبرہ، وان دعا الی قاض وجب عليه الاجابة علی ذالک لان القضاء منصوب لقطع الخصومات وانها منها۔ (الموسوعة الفقهيه،ج۳۳ ص۲۱ ط: كويت)

(۳۲)ومنها ان القضاء لايكون الابلفظ منطوق وتكون الفتيا بالكتابة والنطق والاشارة۔ (الموسوعة الفقهيه،ج۳۲،ص۲۱ط:كويت)

(۳۳)ولاخلاف فی اشتراط اسلامه وعقله وشرط بعضهم تيقظه لاحريته وذكورته ونطقه فيصح افتاء الاخرس لاقضاء ہ، ويكتفی بالاشارة منه لا من القاضی للزوم صيغة مخصوصة كحكمت والزمت بعددعوی صحيحة۔ (ردالمحتار للعلامة ابن عابدين الشامی، ج:۵ص۳۵۹، ط:ايچ ايم سعيدكراچی)

(۳۴)منها ان الفتوی اخبارعن الحكم الشرعی،والقضاء انشاء للحكم بين المتخاصمين۔ (الموسوعة الفقهيه،ج۳۲،ص۲۱ط:كويت)

(۳۵)وظهرحينئذان القضاء يعتمد الحجاج والفيتا تعتمدالادلة: (الاحكام فی تميزالفتاوی عن الاحكام للامام القرافی ،شهاب الدين ابی العباس احمدبن ادريس المصری المالكی ص۵۶، ناشر:مكتب المطبوعات الاسلامية حلب دمشق)

(۳۶)والحسبةهی أمربالمعروف اذا ظهر تركه ونهی عن المنكر اذا ظهر فعله، وهذا وان صح عن كل مسلم، فالفرق بين المحتسب والمتبرع ان فرضه متعين على المحتسب بحكم الولاية، وفرضه على غيره داخل فی فرض الكفاية۔ (الاحكام السلطانية للقاضی ابی يعلی محمدبن الحسين الفراء الحنبلی المتوفی۴۵۸ ص۲۶۸،ط:دارنشرالكتب الاسلامية لاهورپاكستان)

(۳۷)الحسبة فی اللغة: اسم من الاحتساب ومن معانيها الاجر، وحسن التدبير والنظر، ومنه قولهم: فلان حسن الحسبة فی الامر، اذاكان حسن التدبيرله۔فی الاصطلاح: عرفها جمهورالفقهاء بانها الامربالمعروف اذا ظهر تركه والنهی عن المنكر اذا ظهر فعله، وتزيد الحسبة عن القضاء فی ان المحتسب ينظر فی وجوه مايعرض له من الامر بالمعروف والنهی عن المنكر ان لم يحضره خصم يستعديه بخلاف القاضی ۔ (الموسوعة الفقهية،ج۳۳،ص۲۸۴، ط:وزارة الاوقاف والشؤن الاسلاميه كويت الطبعة الرابعة۱۴۱۴۔۱۹۹۳)

(۳۸)علم الاحتساب: هوعلم باحث عن الامور الجارية بين اهل البلد من معاملاتهم اللاتی لايتم التمدن بدونهامن حيث اجرائها على قانون العدل بحيث يتم التراضی من المعاملتين۔ وعن سياسة العباد بنهی المنكر وامر المعروف بحيث لايؤدی الی مشاجرات وتفاخر بين العباد بحسب مارأه الخليفة من الزجر والتوبيخ۔ (كشف الظنون عن آسامی الكتب والفنون للعلامة المولی المصطفی بن عبدالله القسطنطنی ج:۱ص۷۷ط:مكتبه فاروقيه كوئٹه كل مجلدات:۶)

(۳۹)الحسبة وظيفة دينية من باب الامر بالمعروف والنهی عن المنكرالذی هو فرض القائم بامورالمسلمين يعين بذالک من يراہ اهلا۔ والمعروف:كل امرحسنه الشارع امربه،والمنكر:كل امرتصرف قبحه الشارع ونهی عنه، والنهی عن المنكر من امهات الفرائض التی بها تتهذب النفوس ويصان الدين من الضياع والسكوت عليه اثم ومخالفة للشرع۔والاصل فی هذه الولاية ماروی عن النبی صلی الله عليه وسلم :انه وقف على صبرة طعام فی السوق بالمدينة فاعجب حسنه فادخل فيه يده فنالت اصابعه بللا ثم تأفف ونادی ياصاحب الطعام ماهذه؟ فقال: اصابته السماء قال:افلاجعلته فوق الطعام حتی يراه الناس، ثم قال:ايهالناس لاغش بين المسلمين من غشنافليس منا، وقدولی النبی صلی الله عليه وسلم السوق لمن يتفقده فقداستعمل سعيدبن العاص بن امية على سوق مكة بعدالفتح۔واول من وضع نظام الحسبة هواميرالمؤمنين عمربن الخطاب وان كانت التسمية نفسها عرفت فی عهدالمهدی العباس، والشريعة الاسلامية تقضی بوجوب الحسبةعلی كل مسلم مكلف يعلم حكم الدين فيمايدعوا اليه۔ (التاريخ الاسلامی، المبحث الثانی ولاية الحسبة، تاليف:الدكتورسلام استاذالشريعةبكليةالحقوق القاهره ج۹ص۴۸۹، الطبعةالثانية۱۳۸۳هج۱۹۶۳ء،قاهره)

(۴۰)واول من وضع نظام الحسبة هوعمربن الخطاب ولكن عرفت التسمية فی عهدالخليفة العباس المهدی وهی ان كانت واجبة على كل مسلم غيرهناک فروقا بين المحتسب والمتبوع۔ (الفقه الاسلامی و ادلته، ج:۵،ص۷۶۴ الدكتوروهبةالزحيلی، ط:دمشق)

(۴۱)وليس هذا على عموم الدعاوی ، وانما يختص بثلاثة انواع من الدعوی، احدها ان يكون فيما يتعلق ببخس اوتطفيف فی كيل اووزن ، والثانی فيما يتعلق بغش اوتدليس فی مبيع اوثمن والثالث:ماتتعلق بمطله وتاخيرلدين مستحق مع المكنة، وانما جازنظره فی هذه الانواع الثلاثة من الدعاوی لتعلقها بمنكر ظاهروهومنصوب لازالته۔ (الاحكام السلطانية قاضی ابويعلی محمدبن الحسين ۲۶۹،ط:نشرالكتب الاسلامية لاهورپاكستان)

(۴۲)ان له الزام المدعی عليه الخروج من الحق الذی عليه وليس هذا على العموم فی كل حق وانما هوخاص فی الحقوق التی جازله سماع الدعوی فيها، اذا وجبت باعتراف مع القدرة لان فی تاخيره لها منكرا هومنصوب لازالته۔ (الاحكام السلطانية قاضی ابويعلی محمدبن الحسين ۲۷۰،ط:نشرالكتب الاسلامية لاهورپاكستان)

(۴۳)انها مقصودة على الحقوق المعترف بها فأما مايدخله التجاحد والتناكر فلايجوزله النظر فيها۔ (الاحكام السلطانية قاضی ابويعلی محمدبن الحسين ۲۷۰،ط:نشرالكتب الاسلامية لاهورپاكستان)

(۴۴)أن للناظر فی الحسبة من سلاطة السلطنة واستطالة الحماة فيما يتعلق بالمنكرات۔۔۔ لان الحسبة موضوعة على الرهبة فلايكون خروج المحتسب اليها بالسلاطة والغفلة تجوزا فيها ولاخرقا۔ (الاحكام السلطانية قاضی ابويعلی محمدبن الحسين ۲۷۰،ط:نشرالكتب الاسلامية لاهورپاكستان)

(۴۵)الاجتهادفی اللغة: استفراغ الوسع فی تحصيل امرمن الامور مستلزم للكلفة والمشقة، وفی اصطلاح الاصوليين : استفراغ الفقيه الوسع لتحصيل ظن بحكم شرعی ۔ (كشاف مصطلحات الفنون لمحمد اعلی التهانوی ج۲ ص۱۹۸ط: بيروت)

(۴۶)الاجتهاد والتجاهد: بذل الوسع والمجهود وفی حديث معاذ اجتهد رائی ، الاجتهاد بذل الوسع فی طلب الامر وهواجتهاد من الجهدوالطاقة ، والمراد به ردالقضية التی تعرض للحاكم من طريق القياس الی الكتاب والسنة ولم يردالرائی الذی من قبل نفسه من غيرحمل على كتاب اوسنة۔ (لسان العرب، ج۱ص۳۱۶)

(۴۷)كان الخلفاء اذا ماعرض عليهم قضاء وطلب منهم استفتاء نظروا فی كتاب الله فان لم يجدوا حكما التمسوہ فی السنة فاذا لم يعرفوا فيها شيئا سألوالناس هل فيهم من يعرف فی السنة شيئا فی هٰذا الامر۔۔۔ فاذالم يكن هناک حكم للمسألة فی الكتاب والسنة اجتهدوا اجتهاد اجماعيا اذا كان الموضوع له مساس بالحكم ويتعلق بالجماعةواجتهادا فرديافی الجزئيات الخاصة بالافراد۔ (تاريخ الفقه الاسلامی لمحمدسلام مدكورص۳۳۸ ط:قاهره)

(۴۸)فاما غیرالمجتہد ممن یحفظ اقوال المجتہد فلیس بمفت والواجب علیہ اذا سئل أن یذکر قول المجتہد کالأمام علی وجہ الحکایة، فعرف أن مایکون فی زماننا من فتوی مراجعت لیس بفتوی بل ھو نقل کلام المفتی لیأخذ بہ المستفی۔ (حاشیہ ردالمحتار المعروف بالشامی، ص۶۹، مطلب رسم المفتی ط:ایچ ایم سعید)

(۴۹)الاجتہاد وان کان اعم من الافتاء لأن المجتہد یستنبط الاحکام لہ اولغیرہ فیماوقع من الامورواحیانا فیمالم یقع، واماالافتاء فانہ لایکون الافیما وقع وسئل فیہ المفتی وان کان القضاة والافتاء،اخباربحکم اللہ الواجب الاتباع۔ (تاریخ الفقہ الاسلامی لدکتورسلام مدکورص۳۹۹ ط:قاھرہ)

(۵۰)الاجتہاد:بذل الفقیہ وسعہ فی تحصیل الحکم الشرعی والفرق بینہ وبین الافتاء ان الافتاء یکون فیما علم قطعا اوظنا اما الاجتہاد فلایکون فی القطعی ، وان الاجتہاد یتم بمجرد تحصیل الفقیہ الحکم فی نفسہ ولایتم الافتاء الابتبلیغ الحکم للسائل۔

(الموسوعة الفقہیة ،ج۳۲ص۲۱ ط:کویت)

(۵۱) المفتی قائم فی الامة مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم والدلیل علی ذالک امور:احدھا: النقل الشرعی فی الحدیث: ان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولادرھما وانما ورثوالعلم۔۔۔والثانی: انہ نائب عنہ فی تبلیغ الاحکام لقولہ’’الا لیبلغ الشاھد منکم الغائب‘‘۔۔۔۔۔والثالث: ان المفتی شارع من وجہ۔۔ وعلی الجملة فالمفتی مخبر عن اللہ کالنبی وموقع النبی للشریعة علی افعال المکلفین بحسب نظرہ کالنبی ونافذامرہ فی الامة بمنشورالخلافة کالنبی۔۔ (الموافقات فی اصول الشریعة، لأبی اسحاق الشاطبی ابراھیم بن موسی المالکی، ج۴، ص۱۷۸،۱۷۹، ط:دارالکتب العلمیة بیروت، الطبعة السابعة۱۴۲۶ھ)

(۵۲)عن رسول االلہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: ان العلماء ورثة الانبیاء‘‘ فاثبت للعلماء خصیصة فاقوا بھا سائرالامم۔۔۔ ولذا قیل فی الفتیا:انھا توقیع عن اللہ تبارک وتعالیٰ۔ (ادب المفتی والمستفتی، لابن الصلاح ، ط:مکتبة العلوم الاسلامیة المدینة المنورة ص:۷۱،۷۲،)

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License